ایک علمی و تحقیقی کاوش

مسئلہ رفع الیدین

جس میں تحقیقی انداز میں مضبوط و مستحکم دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ رفع الیدین ہی حضور ﷺ کی دائمی سنت ہے

تصنیف

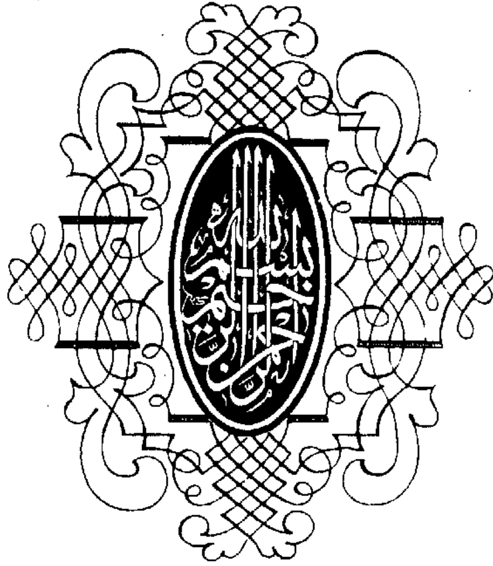
فضیلۃ الشیخ ابو محمد عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھیؒ

ترجمہ

مولانا محمد خالد سیف



طارق اکیڈمی فیصل آباد



مسئلہ رفع الیدین

ایک علمی و تحقیقی کاوش

امتحان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○ (اٰلِ عمران:۳۱)

"(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"

ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں "کہ کچھ دل حبِ الٰہی کے دعوے دار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دلوں کے لئے اس آیت کریمہ کو امتحان و آزمائش کے طور پر نازل فرمایا ہے"۔ (مدارج السالکین، ابن قیمؒ ج۳ ص۲۲)

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں "کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو قرآن سے محبت ہو اور قرآن سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو صاحبِ قرآن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو آپ کی سنت ﷺ سے محبت ہو۔ (تفسیر القرطبی، ج۴ ص۶۰)

رسول اللہ ﷺ کی پیاری اور دائمی سنت "رفع الیدین" کو ترک کرنے والے مسلمان اپنی محبتِ رسول پر ضرور غور فرمائیں۔

ایک علمی و تحقیقی کاوش

مسئلہ رفع الیدین

جس میں فاضلانہ و محدثانہ انداز میں مضبوط و مستحکم دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ رفع الیدین ہی حضور اقدس ﷺ کی دائمی سنت ہے، اس کے منسوخ ہونے کا دعویٰ باطل ہے اور کسی ایک صحابی ؓ سے بھی صحیح سند کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ وہ رفع الیدین نہ کرتے ہوں نیز اس میں برادرانِ احناف کے دلائل، خصوصاً مولانا محمد ہاشم سندھی کی کتاب ''کشف الرین'' کا اعلیٰ علمی و تحقیقی اسلوب میں تجزیہ کیا گیا ہے۔

تصنیف

فضیلۃ الشیخ ابو محمد عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی رحمہ اللہ

ترجمہ

محمد خالد سیف

طارق اکیڈمی

ڈی گراؤنڈ (سموسہ چوک) فیصل آباد

نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ (بخاری)



● اہتمام .... محمد سرور طارق

● اشاعت .... اگست 2003ء جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ

● طباعت .... اُحد پرنٹنگ پریس، لاہور

ناشر

TARIQ ACADEMY
D/Ground (samosa chok)
Faisalabad, PAKISTAN.
☎ 0092 41 546964 Fax:0092 41 733350



ڈسٹری بیوٹر دارالسلام
پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز
عزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 7120054 فیکس 7320703

فہرست



فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي

''تم بھی اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھایا کرتے تھے اور جب رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی آپ اسی طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے اور فرماتے ''سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ'' بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ کی نماز کی یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔''

امام علی بن مدینی ؒ (امام بخاریؒ کے استاد) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث مخلوق کے لئے حجت ہے، جو شخص بھی اس حدیث کو سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے۔ کیونکہ اس کی سند میں قطعاً کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے'' (التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجرؒ ج ا ص ۲۱۸)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیث کو صحابہ کرام ؓ کی اس قدر کثیر تعداد نے روایت کیا ہے کہ شائد اور کسی حدیث کو اس سے زیادہ صحابہ ؓ نے روایت نہ کیا ہو۔

امام بخاری نے ''جزء رفع الیدین'' میں لکھا ہے کہ رفع الیدین کی حدیث کو انیس صحابہ ؓ نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی ؒ نے اپنی کتابوں ''سنن'' اور ''خلافیات'' میں تیس صحابہ کرام ؓ کے نام ذکر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ میں نے امام حاکمؒ سے سنا کہ رفع الیدین کی حدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسے روایت کرنے والوں میں عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ کرام ؓ بھی شامل ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

امام کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتِ مطہرہ کی اتباع، وہ عظیم الشان عمل ہے کہ یہ حبِ الٰہی کا معیار، محبوبیت ربانی کے حصول کا ذریعہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (اٰلِ عمران:۳۱)

''(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''

ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں ''کہ کچھ دل حبِ الٰہی کے دعوے دار تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دلوں کے لئے اس آیت کریمہ کو امتحان و آزمائش کے طور پر نازل فرمایا ہے''۔

(مدارج السالکین، ابن قیمؒ ج ۳ ص ۲۲)

بعض ائمہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے ''کہ یہاں محبت سے مراد اتباع واطاعت ہے اور بندے کی اللہ اور اس کے رسول سے محبت یہ ہے کہ وہ ان کی اطاعت بجالائے اور ان کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت یہ ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم کے ساتھ ان کے گناہوں کو معاف فرما دے''۔

(تفسیر القرطبی، ج ۴ ص ۴۰)

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں ''کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو قرآن سے محبت ہو اور قرآن سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو صاحبِ قرآن

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان کو آپ کی سنت سے محبت ہو اور ان سب سے محبت کی نشانی یہ ہے کہ انسان کو آخرت سے محبت ہو۔'' (تفسیر القرطبی، ج۴ص۶۰)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''کہ جو شخص حبِ الٰہی کا دعویٰ کرے مگر وہ محمدی طریقے پر نہ ہو تو اس آیت کریمہ کا اس کے بارے میں فیصلہ یہ ہے کہ وہ اس وقت تک جھوٹا ہے، جب تک اپنے تمام اقوال وافعال میں شریعتِ محمدی اور دین نبوی ﷺ کی اتباع نہیں کرتا اور پھر اس آیت کریمہ میں مزید یہ فرمایا ہے کہ ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ'' (اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا) یعنی تمہاری طلب سے بھی بڑھ کر تمہیں دے گا کہ اب تو تم حب الٰہی کے دعوے دار ہو، پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور یہ پہلے کی نسبت بہت عظیم الشان مقام ہے کیونکہ شان یہ نہیں ہے کہ تم محبّ بنو بلکہ شان یہ ہے کہ تم محبوب بن جاؤ۔'' (تفسیر ابن کثیر ج۱ص۳۵۸)

حافظ ابن قیمؒ مذکورہ بالا آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ ''یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ'' میں محبت کی دلیل اور اس کے ثمرہ و فائدہ کی طرف اشارہ ہے، حبِ الٰہی کی دلیل اور علامتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہے اور اس کا ثمرہ و فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے گی، اگر اتباع نہ ہو تو محبت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن قیمؒ نے بہت واضح طور پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت صرف اور صرف حبیب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی اتباع ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (مدارج السالکین، ج۳ص۲۲......۳۹)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی سنت مطہرہ کی اتباع اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اپنے حبِ الٰہی کے دعوے میں سچا ہے اور اس اتباع کا ثمرہ طیبہ یہ ہے کہ اس سے انسان محبوب بارگاہِ الٰہی بن جاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی حقیقت کو بہت سی احادیثِ مبارکہ میں بھی مختلف اسلوب و انداز میں واضح کیا

گیا ہے۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ
وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ
وَمُحَمَّدٌ ﷺ فَرَّقَ بَيْنَ النَّاسِ (صحیح بخاری، حدیث:۷۲۸۱)

''جس نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت
کی۔جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی
کی۔محمد ﷺ لوگوں میں حد فاصل ہیں''

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی بجز اس کے جس نے انکار کیا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! انکار کون کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ،وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

(صحیح بخاری، حدیث:۷۲۸۰)

''جس شخص نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس
نے میری نافرمانی کی اس نے (گویا جنت میں داخل ہونے سے)
انکار کردیا۔''

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری اور میرے ہدایت یافتہ اور نیکوکار خلفاء کی سنت پر عمل کرو،
اس سے وابستہ ہو جاؤ، اسے مضبوطی سے تھام لو اور (دین میں) نئے
نئے کاموں سے اجتناب کرو۔کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت
ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے'' (ابوداؤد،حدیث:۴۶۰۷)

اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے

امہات المومنینؓ سے آنحضرت ﷺ کے اندرونِ خانہ اعمال کے بارے میں پوچھا اور جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے آپ کے عمل کو بہت کم سمجھا اور کہا کہ آپ کا مقام و مرتبہ تو بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے، ہمیں آپ ﷺ سے کیا نسبت، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں زندگی بھر عورتوں سے شادی نہیں کروں گا، دوسرے نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آنحضرت ﷺ کو جب ان کی باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

''ان لوگوں کا کیا حال ہے، جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں، میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی، نفل روزے رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے'' (تو یہ ہے میری سنت اور)

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ (صحيح مسلم حديث:١٤٠١)

''جو میری سنت سے اعراض کرے، اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں''

عبادات و معاملات اور زندگی کے دیگر تمام لمحات میں حضور اقدس ﷺ کی سنتِ مطہرہ کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے۔ نماز کے بارے میں آپ ﷺ نے امت کو بطور خاص یہ ہدایت فرمائی ہے کہ:

صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ

''تم بھی اسی طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو''

حضرات صحابہ کرام ؓ کا امت پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو جس طرح نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا، اس تمام کیفیت کو محفوظ کر کے امت تک پہنچا دیا۔ آنحضرت ﷺ کی نماز کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، جیسا کہ ان بہت سی احادیثِ مبارکہ میں ذکر ہے، جسے حضرات صحابہ ؓ کی ایک کثیر تعداد نے روایت کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیث

کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قدر کثیر تعداد نے روایت کیا ہے کہ شائد اور کسی حدیث کو اس سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت نہ کیا ہو۔

امام بخاری نے ''جزء رفع الیدین'' میں لکھا ہے کہ رفع الیدین کی حدیث کو انیس صحابہ نے روایت کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں ''سنن'' اور ''خلافیات'' میں اس سلسلہ میں تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ میں نے امام حاکم رحمہ اللہ سے سنا کہ رفع الیدین کی حدیث کو یہ شرف حاصل ہے کہ اسے روایت کرنے والوں میں عشرہ مبشرہ اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ حافظ ابوالفضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے رفع الیدین کی حدیث روایت کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام شمار کئے، تو ان کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔ بہرحال اس سلسلہ میں حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے فیصلہ کن بات یہ ارشاد فرمادی ہے کہ:

وَلَمْ يَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ۔ (جزء رفع الیدین مع الجلاء ص ۱۲۶)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت نہیں کہ وہ نماز میں رفع الیدین نہ کرتے ہوں''

افسوس کہ برادرانِ احناف نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی بلند پایہ اور کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتابوں کی صحیح احادیث کے مقابلہ میں کم تر درجہ کی کتب کی حد درجہ ضعیف بلکہ موضوع اور من گھڑت روایات کا سہارا لیا اور رفع الیدین جیسی متواتر سنت کا انکار کر دیا۔ فقہاء احناف نے ترک رفع الیدین کے بارے میں سب سے زیادہ انحصار ترمذی کی روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر کیا ہے اور اس روایت کے بارے میں محدثین کرام کے ریمارکس اختصار کے ساتھ حسب ذیل ہیں:

''امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں

ہے، امام ابو حاتم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غلط ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ
اور آپ کے شیخ امام یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف
ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ثابت ہی نہیں اور امام ابن
حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے
وقت رفع الیدین کی نفی کے بارے میں اہلِ کوفہ کی یہ سب سے اچھی
روایت ہے اور حقیقت میں یہ ضعیف ترین روایت ہے، جس پر
انہوں نے انحصار کیا ہے، اس لئے کہ اس روایت میں بہت سی ایسی
علتیں ہیں، جن کی وجہ سے یہ روایت باطل قرار پاتی ہے۔ تمام
محدثین کرام نے عاصم بن کلیب کی سند پر طعن کیا ہے، جب کہ محمد
بن جابر کی سند کو تو امام ابن الجوزی رحمہ اللہ نے موضوع شمار کیا ہے، امام احمد رحمہ اللہ
نے محمد بن جابر کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ''لاشیئی'' ہے اور اس
سے روایت کرنے والے اس سے بھی بدتر ہیں۔''

(التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجرؒ ج۱ص۲۲۲)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے جلیل القدر محدثین کرام کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا، یہ حال ہے اس روایت کا جو رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں برادرانِ احناف کی سب سے مضبوط دلیل ہے اور اب رفع الیدین کرنے والوں نے جس قسم کی احادیث سے اکتسابِ ضیاء کیا ہے، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھایا کرتے تھے اور جب رکوع کے لئے اللہ اکبر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی آپ اسی طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے اور فرماتے ''سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ'' بیہقی کی روایت میں یہ

الفاظ بھی ہیں کہ آپ کی نماز کی یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ بخاری کی رویات میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے۔ **امام علی بن مدینیؒ (امام بخاریؒ کے استاد) فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث مخلوق کے لئے حجت ہے، جو شخص بھی اس حدیث کو سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل کرے۔** کیونکہ اس کی سند میں قطعاً کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں ہے۔'' **(التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجرؒ ج ۱ص ۲۱۸)**

امید ہے کہ اس سے آپ کو فریقین کے دلائل کی نوعیت کے بارے میں خوب اندازہ ہو گیا ہوگا مگر افسوس کہ تارِ عنکبوت سے بھی کمزور دلائل کا سہارا لینے کے باوجود برادرانِ احناف کی طرف سے اس موضوع پر بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان کے جواب میں مجبوراً اہل حدیث علماء کو بھی قلم اٹھانا پڑا تا کہ تصویر کا صحیح رخ پیش کر کے حق کو واضح کیا جا سکے اور عامۃ المسلمین کو بتایا جا سکے کہ اس مسئلہ میں امامِ کائنات، فخرِ موجودات، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے؟ اور ساری زندگی آپ ﷺ کا معمول کیا رہا ہے؟ برادرانِ احناف کی طرف سے اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں سے ایک...... ''کشف الرین عن مسئلة رفع الیدین'' بھی ہے، جسے مولانا محمد ہاشم بن عبدالغفور سندھی (م ۱۷۶۰) نے لکھا تھا، اسی کتاب کا جواب ہمارے فاضل دوست شیخ ابو محمد عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھیؒ نے "الکشف عن کشف الرین عن مسئله رفع الیدین" کے نام سے نہایت فاضلانہ اور محدثانہ انداز میں لکھا اور اعلیٰ علمی و تحقیقی اصولوں کے مطابق مولانا محمد ہاشم کے پیش کردہ تمام دلائل کا نہایت مسکت اور شافی جواب دے کر مسئلہ کی صحیح صحیح تصویر قارئین کے سامنے پیش کر دی ہے تا کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ کے دامن سے وابستگی اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ علی وجہ البصیرت وابستگی اختیار کر لے اور اگر کوئی حبِ رسول بلکہ

عشقِ رسول کے زبانی دعووں کے باوجود فقہی تعصب اور جمود کے دائرہ سے باہر نہیں آنا چاہتا تو اس کی مرضی لیکن حقیقتِ حال کو اس کے سامنے اظہر من الشّمس کر دیا جائے:

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّ يَحْيىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ۔

مرحوم دوست شیخ ابو محمد عبدالقادر حبیب اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ......(تفصیلی حالات آگے آ رہے ہیں)......کو اللہ رب ذوالجلال نے یہ عظیم سعادت عطا فرمائی تھی کہ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کا اکثر و بیشتر حصہ مدینہ منورہ کی پر رحمت اور پر انوار فضاؤں میں بسر کیا تھا۔ مدینہ منورہ کے قیام کی برکت سے حضورِ اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیثِ مبارکہ اور سنتِ مطہرہ کی محبت ان کے دل میں رچی بسی ہوئی تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی اکثر و بیشتر تصنیفات حدیثِ نبوی ﷺ ہی کے کسی نہ کسی گوشہ سے متعلق ہیں۔ پیشِ نظر کتاب انہوں نے مدینہ منورہ ہی سے ہمارے دوست محترم حافظ عبدالوحید چوہدری کے ہاتھ اپنی کچھ دیگر کتابوں کے ساتھ ارسال فرمائی اور اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ میں اسے اردو کے قالب میں منتقل کر دوں اور پھر مدینہ منورہ سے کئی بار بذریعہ ٹیلی فون ترجمہ کے بارے میں استفسار فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک دن ٹیلیفونک گفتگو کے دوران میں انہوں نے فرمایا کہ میں عنقریب پاکستان آ رہا ہوں اور پروگرام یہ ہے کہ حیدر آباد میں ضروری کاموں سے فارغ ہو کر اسلام آباد آپ کے پاس آؤں گا اور پھر باہمی مشاورت سے کتاب کی طباعت و اشاعت کے کام کو حتمی شکل دے دی جائے گی۔ شیخ پاکستان آئے، حیدر آباد سے انہوں نے فون کر کے اپنی آمد کی اطلاع بھی دے دی اور پھر ایک دن فون کی گھنٹی بجی، شیخ بول رہے تھے، فرمانے لگے کہ اچانک میری طبیعت بے حد خراب ہو گئی ہے، اس لئے میں معذرت خواہ ہوں کہ اسلام آباد نہیں آ سکتا۔ میں نے مدینہ منورہ کی طرف فوری واپسی کا پروگرام بنا لیا ہے۔ دراصل شیخ صاحب کا معمول یہ تھا کہ آپ جب کبھی سعودیہ سے باہر سفر پر ہوتے، تو ضروری کاموں سے فراغت کے بعد آپ جلد مدینہ منورہ میں واپس تشریف

لے آیا کرتے تھے کیونکہ آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی حیاتِ مستعار کے آخری لمحات مدینہ منورہ کی بابرکت فضاؤں میں بسر ہوں اور طیبہ کی خاک پاک ہی میں آپ کو تربت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس خواہش کو پورا فرما دیا اور پاکستان سے واپسی کے چند دن بعد ہی یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ شیخ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ہے اور اب آپ حسبِ خواہش مدینہ منورہ ہی کی خاکِ پاک میں محو استراحت ہیں۔ **رحمه الله رحمة واسعة۔**

بہر آئینہ شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب..........

"الكشف عن كشف الرين عن مسئلة رفع اليدين"...... کے اردو ترجمہ کو مسئلہ رفع الیدین...... ایک علمی و تحقیقی کاوش...... کے نام سے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے اور اس کی طباعت و اشاعت کی سعادت...... طارق اکیڈمی حاصل کر رہی ہے، اس کتاب کی طباعت جہاں فاضل مصنف کے رفع درجات کا موجب بنے گی، وہاں قارئین کرام کے لئے بھی حضور سرور کائنات ﷺ کی اس سنت مطہرہ کی حیثیت و اہمیت کو سمجھنے اور پھر اس کے مطابق نماز ادا کرنے کے لئے راہنمائی کا نور فراہم کرے گی۔ اللہ رب ذوالجلال والاکرام ہم سب کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی زیادہ سے زیادہ محبت و اطاعت کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

محمد خالد سیف

اسلام آباد

۲۵ مئی ۲۰۰۳ء



الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھیؒ

(مختصر حالاتِ زندگی)

فضیلۃ الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے پہل ملاقات ۱۹۷۷ء میں مسجد الحرام (بیت اللہ شریف) میں مرحوم شیخ حافظ فتح محمد المعروف حافظ فتحی کے پاس بابِ بلال کے سامنے اس مقام پر ہوئی، جہاں حافظ فتحی مرحوم جلوہ افروز ہوتے اور عالمِ اسلام خصوصاً برصغیرِ پاک و ہند سے آنے والے علماء اس شمع علم کے گرد پروانوں کی صورت جمع رہتے تھے۔ میرا ان دنوں بسلسلہ عمرہ مکہ مکرمہ میں قیام تھا اور شیخ عبدالقادر غالباً ان دنوں معھد الحرم المکی میں مدرس تھے، اس لئے وہ دن میں کئی بار حافظ فتحی کے ہاں تشریف لاتے، ان دنوں میری بھی کوشش ہوتی تھی کہ نمازیں بابِ بلال کے قریب ادا کی جائیں تاکہ حافظ صاحب مرحوم کے پاس تشریف لانے والے علماءِ کرام کی زیارت اور ان کی علمی گفتگو سے استفادہ کی کوشش کی جائے...... محدث العصر علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی اور آخری ملاقات کا شرف بھی اسی مقام پر حافظ فتحی مرحوم کے ہاں حاصل ہوا تھا...... حافظ فتحی مرحوم مرنجان مرنج طبیعت کے مالک تھے، بصارت سے محروم لیکن فہم وفراست اور علم وبصیرت سے اللہ نے انہیں بہرہٴ وافر عطاء فرمایا تھا، سعودی شیوخ ان پر بہت اعتماد کرتے، گراں قدر عطیات سے نوازتے اور حافظ صاحب مرحوم ان سے دینی کتب خرید کر طلبہ وعلماء کرام کو دے دیتے تھے، حافظ فتحی مرحوم کے بارے میں اپنی یادداشتوں کو کسی دوسرے موقعہ پر ترتیب دینے کی کوشش کروں گا کہ اس وقت اپنے فاضل دوست شیخ عبدالقادر کے بارے میں کچھ عرض کرنا مقصود ہے۔

الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی بچپن ہی میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے،

انہوں نے ابتدائی تعلیم مدینہ منورہ کے سکولوں میں حاصل کی، آپ بہت ذہین وفطین تھے، امتحانات میں ہمیشہ ممتاز پوزیشن حاصل کرتے۔ ایک مرتبہ اپنے سکول میں اوّل پوزیشن حاصل کی تو شاہ سعود بن عبدالعزیز آل سعود نے خوش ہو کر انہیں اپنی قیمتی شاہی گھڑی انعام میں دے دی تھی اور اس موقع پر شاہ سعود نے ان کی ذہانت اور تعلیمی قابلیت سے متأثر ہو کر انہیں سعودی نیشنلٹی دینے کا حکم صادر فرمادیا تھا۔

بعد ازاں شاہ سعود کے حکم پر جب مدینہ یونیورسٹی کا افتتاح ہوا تو اس کے اولین طلبہ میں الشیخ عبدالقادر بھی تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ مرحوم نے اپنے لئے تدریس وتحقیق کے میدان کا انتخاب کیا۔ تدریس کے لئے آپ کو مسجد الحرام (بیت اللہ شریف) میں قائم معہد الحرم المکی میں مدرس مقرر کر دیا گیا اور پھر مدینہ یونیورسٹی میں جب ''کلیۃ الحدیث'' کا اجراء ہوا تو فن حدیث میں مہارت کی وجہ سے آپ کا تبادلہ مدینہ یونیورسٹی میں کر دیا گیا، ویسے بھی آپ کی مستقل رہائش مدینہ منورہ میں تھی۔ ہر ہفتے مکہ مکرمہ کے طویل سفر کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ نے پوری توجہ اور انہماک سے درس وتدریس اور تحقیق کا کام شروع کر دیا۔

الشیخ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا، علم حدیث بالخصوص فن رجال کی کوئی بھی نئی کتاب بازار میں آتی تو اسے فوراً خرید لیتے اور گھریلو اور ذاتی ضروریات پر بھی کتاب کو ترجیح دیتے، آپ کے اس علمی ذوق اور کتاب سے محبت کی وجہ سے آپ کا ذاتی مکتبہ مدینہ منورہ کے بڑے نجی مکتبات میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کے مکتبہ میں صرف مطبوعہ کتب ہی نہیں بلکہ نادر مخطوطات اور مصوّرات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ مدینہ منورہ کے کبار علماء اور مشائخ کو بھی اگر کسی نادر ونایاب کتاب کی ضرورت پڑتی تو شیخ کے مکتبہ سے ان کی ضرورت پوری ہوتی تھی حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے بہت بڑے عالم اور محدث الشیخ حماد الانصاریؒ بھی بسا اوقات آپ کے مکتبہ سے استفادہ کرتے تھے۔ محترم حافظ عبدالوحید چوہدری کے بقول آپ کا یہ مکتبہ لاکھوں ریال کی مالیت کا تھا جسے آپ نے

اپنی زندگی ہی میں فی سبیل اللہ وقف کر دیا تھا۔

شیخ عبد القادرؒ کو تصنیف و تالیف سے بھی خاص دلچسپی تھی، آپ نے بے شمار کتب اور رسائل تصنیف کیے۔ ''التصوف'' کے موضوع پر چار ضخیم جلدوں میں آپ نے نہایت علمی و تحقیقی کتاب تصنیف فرمائی۔ اسی طرح پردہ کے موضوع پر آپ نے ''الحجاب فی ضوء الکتاب والسنة'' کے نام سے ایک بہت تحقیقی مقالہ سپرد قلم فرمایا، جو سعودی عرب کے کئی معتبر رسائل میں طبع ہوا اور پھر پاکستان میں جامعہ علوم اثریہ جہلم نے اسے کتابی شکل میں طبع کیا۔ اس رسالہ میں آپ نے فضیلۃ الشیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''حجاب المرأۃ المسلمۃ'' کے بعض مسائل پر تنقید کی اور قرآن و حدیث کے دلائل کی روشنی میں پردہ کے مسئلہ کی مدلل وضاحت کی تھی۔

اسی طرح آپ نے ''مرویات غزوۃ تبوک'' کے نام سے ایک بیش قیمت علمی و تحقیقی کتاب لکھی، جو اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے، علاوہ ازیں اور بھی کئی کتب آپ کی یادگار ہیں۔

اسی طرح جامعہ علوم اثریہ کا تصور بھی آپ ہی نے اہل جہلم کو دیا تھا اور پھر ۱۹۷۵ء میں محدث العصر، استاذ الاساتذہ، حضرت علامہ حافظ محمد گوندلویؒ اور ولی کامل حضرت مولانا محمد باقرؒ آف جھوک دادو کے ہمراہ آپ نے جامعہ کا سنگ بنیاد رکھا اور پھر آپ کی خصوصی دلچسپی، تعاون اور راہنمائی کی وجہ سے اس جامعہ نے بہت جلد ترقی کی منزلیں طے کیں اور آج بحمد للہ ملک کے اہم دینی اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

آپ شوگر کے پرانے مریض تھے اور عرصہ دراز سے انسولین کا انجکشن استعمال کر رہے تھے اور اب کچھ عرصہ سے گردوں کی تکلیف بھی شروع ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے کافی کمزوری ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے اپنے مکتبہ میں پڑھنے لکھنے کا کام مسلسل جاری رکھا، آخری دنوں میں بیماری کی شدت کی وجہ سے آپ کو علاج کے لئے

ریاض لے جایا گیا، تو وہاں ہسپتال میں کچھ ہی دنوں کے بعد اصرار کرنے لگے کہ مجھے واپس مدینہ لے چلو کیونکہ ہمیشہ آپ کی یہ خواہش رہی کہ زندگی کے آخری لمحات مدینہ میں بسر ہوں، مدینہ منورہ کی سکونت بھی آپ نے اسی لئے اختیار فرمائی تھی۔ صحیح بخاری (حدیث نمبر ۱۸۹۰) میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعاء فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ

"اے اللہ مجھے اپنے رستے میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے شہر میں موت نصیب فرما"

اسی وجہ سے زندگی کے آخری سالوں میں آپ نے بیرونی ممالک کے سفر ترک کر دیئے تھے، پاکستان میں بھی تشریف لاتے تو ضروری کاموں سے فراغت کے بعد فوراً مدینہ کی طرف واپسی کا پروگرام بنا لیتے جیسا کہ آخری دفعہ پاکستان تشریف لائے تو اسلام آباد میں آنے کے پروگرام کے باوجود صحت خراب ہونے کی وجہ سے بذریعہ فون معذرت کر دی اور سندھ ہی سے واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ جیسا کہ قبل ازیں مقدمہ میں بیان کیا جا چکا ہے۔

دراصل شوگر جیسے موذی مرض کی وجہ سے آپ کی صحت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ اس کا اندازہ چند سال پیشتر اس وقت ہوا، جب آپ سے قریباً بیس سال بعد ۱۹۹۶ء میں اسلام آباد میں محترم حافظ عبدالوحید چودھری کے مکان پر آخری ملاقات ہوئی۔ حافظ صاحب نے آپ کے اعزاز میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا اور بہت سے علماء کرام اور احبابِ جماعت کو بھی مدعو فرمایا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ ۱۹۷۷ء کے شیخ عبدالقادر اور آج کے شیخ عبدالقادر میں بہت فرق آ چکا تھا، طویل القامت اور صحت مند شخص بیماری کے ہاتھوں کھوکھلا ہو چکا تھا، بڑھاپے، بیماری یا شائد علم کے بوجھ کے باعث کمر خمیدہ ہو چکی تھی مگر دماغ روشن اور حافظہ درست تھا، گفتگو میں علم کے دریا بہا رہے تھے، اس مختصر سی ملاقات میں بھی انہوں نے کئی مصنفین اور ان کی کتب پر تبصرہ کیا

اور کئی نادر و نایاب مخطوطات کے بارے میں بتایا کہ وہ کس ملک کی کس لائبریری میں موجود ہیں۔

ریاض سے واپسی کے بعد آپ کو مدینہ منورہ کے بڑے ہسپتال میں داخل کروایا گیا، اب آپ کے گردے بالکل ناکارہ ہو چکے تھے، ہر دوسرے دن خون کو بذریعہ مشین صاف کیا جاتا تھا اور پھر بالآخر وہ وقت موعود آ پہنچا، جس کا ہر ذی روح کو سامنا کرنا ہے۔ ۸ ذی الحجہ (يوم التروية) کا دن تھا اور جمعرات کے روز مدینہ منورہ کی فضاؤں میں نماز عصر کے لئے اذان کی آواز گونج رہی تھی...... جب مساجد سے اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لئے پکارا جا رہا تھا تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اس فقیر اور مخلص بندے کو اپنے پاس بلا رہا تھا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو اپنے ان مخلص بندوں میں شامل فرما دے، جن سے دمِ واپسیں کہا جاتا ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً
فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ **(الفجر:۲۷۔۳۰)**

"اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔"

شیخ کو اسی روز عصر کی نماز کے بعد ان کے گھر میں غسل دیا گیا، نماز کے بعد مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور عشاء کے بعد جنت البقیع میں انہیں سپردِ خاک کر دیا گیا اور اس طرح نواب شاہ (سندھ) کے نواح سے طلوع ہونے والا یہ آفتاب حیات مستعار کی 63 بہاریں دیکھنے کے بعد ۸ ذی الحج ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۵ مارچ ۱۹۹۹ء کو مدینہ منورہ کی خاکِ پاک میں غروب ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

بہت سی علمی و تحقیقی کتب کے علاوہ، بہت سے جامعات، مدارس، مساجد اور دیگر

فلاحی ادارے بھی آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، جنہیں آپ نے اپنے نجی یا سعودی حکومت یا وہاں کے شیوخ کے تعاون سے تعمیر کروایا تھا۔ تمام سعودی اداروں، وزارتوں اور مشائخ کے ہاں شیخ عبدالقادر معتمد ترین عالم دین تھے۔ خصوصاً مفتی اعظم سماحۃ الشیخ بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ آپ پر بہت اعتماد کرتے اور انہیں اپنے بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ شیخ ابن بازؒ نے آپ کو کئی بار اپنے نمائندے کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند، یورپ اور امریکہ بھیجا تھا، وہ آپ کی لکھی ہوئی رپورٹوں پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔

آپ کی دو بیویاں بقید حیات ہیں۔ پہلی بیوی سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں جب کہ دوسری اہلیہ سے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ہماری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کا سایہ رکھے اور انہیں شیخ کے علم و فضل کا وارث اور صحیح جانشین بنائے۔ آمین!

نوٹ...... شیخ کے حالات کے لئے ہم نے اپنے فاضل دوست حافظ عبدالحمید عامر کے اس مضمون سے بھی استفادہ کیا ہے، جو انہوں نے ''شیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھیؒ کی رحلت'' کے زیر عنوان لکھا تھا اور ماہنامہ ''شہادت'' اسلام آباد کے اگست ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں طبع ہوا تھا۔



کچھ اس...... کتاب کے بارے میں

حمداً لله عزو جل،وصلاة و سلاماً على خاتم رسله وخيرة خلقه، محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب الهاشمي القرشي، نبي الرحمة والهدى،صلى الله عليه وسلم و على آله و صحبه ومن اتبع سنته و منهجه من الأولين والأخرين إلىٰ آن يرث الله الأرض و من عليها، اما بعد:

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے، جس میں سنت مطہرہ کے جلیل القدر ائمہ کرام، حامیان عظام اور حفاظ کے افکار و آراء کے حوالہ سے مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس رسالہ پر تنقید کی گئی ہے، جسے انہوں نے ''کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین'' کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ رسالہ مجھے برادر عزیز جناب ڈاکٹر امیر بخش، شانا پروفیسر شعبہ منشیات شاہ خالد یونیورسٹی ہسپتال، میڈیکل کالج، شاہ سعود یونیورسٹی، ریاض، سعودی عرب نے دیا تھا اور انہوں نے بتایا کہ مولانا محمد ہاشم کا یہ رسالہ حیدر آباد سندھ، پاکستان میں عربی زبان میں طبع ہوا اور پھر بہت بڑی تعداد میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں مولانا ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے سوا رکوع کو جاتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دیگر تمام صورتوں میں رفع الیدین منسوخ ہے اور پاکستان کے بعض علماء کے بقول انہوں نے اس سلسلہ میں سنت نبویہ سے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں۔

اس رسالہ کا علماء و مشائخ اور طلبہ کے حلقوں میں خاصا چرچا ہوا کیونکہ مولانا ٹھٹھوی کو سندھ میں خصوصاً اور پاکستان میں عموماً بہت قدر و منزلت کی نگاہوں

سے دیکھا جاتا ہے، ان کا گزشتہ صدی کے ساتویں عشرے میں انتقال ہوا تھا۔ میں نے اس رسالہ کا تدبر اور گہرے غور وفکر کے ساتھ مطالعہ کیا، تو اپنی کم علمی اور بے مائیگی کے اعتراف کے باوصف یہ کہنے میں کوئی حجاب نہیں کہ اس میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو قطعاً صحیح نہیں ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قطعاً صحیح نہیں حالانکہ برادران احناف کی اس فرعی مسئلہ میں یہ سب سے قوی دلیل ہے۔

یہ ایک فرعی مسئلہ ہے جو کہ سلف وخلف سے اہل علم کے مابین اختلافی رہا ہے لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس طرح کے فرعی مسئلہ کو اہل علم کے ہاں بحث ومناقشہ کا موضوع نہیں ہونا چاہیئے۔ ہم نے اس موضوع کا جائزہ مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی روشنی میں لیا ہے، جنہوں نے اس رسالہ کو تصنیف کیا اور مذکورہ بالا نام سے موسوم کیا، اگر چہ اس رسالہ کی آپ کی طرف نسبت کے بارے میں میرے کچھ شکوک وشبہات بھی ہیں جیسا کہ میں نے اس بحث کے مقدمہ میں انہیں ذکر کیا ہے۔ اگر میری یہ مختصر سی فقہی فرعی کاوش حق وانصاف پر مبنی ہے، تو یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اور اگر صورت حال کچھ اور ہے تو یہ میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے۔

سُبۡحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ۝

وصلى الله عليه وسلم و بارك على عبده و رسوله محمد وعلى آله و صحبه اجمعين

العبدالفقير والحقير الى مولاه

ابو محمد عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی

حال مقیم......مدینه منوره ......سعودی عرب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لِلّٰه رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ اشرف الأنبيآء والمرسلين، نبينا و شفيعنا محمد و على آله و صحبه و من تبعه بإحسان إلى يوم الدين ، اما بعد:

سببِ تالیف

مجھے کل جناب ڈاکٹر اُمیر بخش شانا اسسٹنٹ پروفیسر میڈیکل کالج، شاہ سعود یونیورسٹی، ریاض نے ''کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین'' نامی یہ چھوٹا سا رسالہ دیا جو کہ مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی سندھی کی تصنیف ہے، مولانا ابوالعلاء محمد عبدالعلیم ندویؒ نے اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور اسے عبیداللہ بھور ناظم مدرسہ عربیہ، مدینۃ العلوم بھینڈہ شریف ضلع حیدر آباد سندھ نے شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ ۱۲-۲-۱۴۰۸ھ کو حیدر آباد سندھ سے طبع ہوا ہے۔

میں نے اس رسالہ کے عربی متن پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس میں اس اہم مسئلہ کے بارے میں کیا تحقیق و تدقیق پیش کی گئی ہے، جو برصغیر پاک و ہند کے احناف اور اہل حدیث کے مابین آج بھی اسی طرح ایک اہم مسئلہ شمار ہوتا ہے جیسا کہ گزشتہ زمانوں میں تھا۔ اس رسالہ کے سرسری جائزہ ہی سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ ایک بے حد ناقص رسالہ ہے، اس میں تحقیق و تدقیق اور بحث و تمحیص کا قطعاً حق ادا نہیں کیا گیا اور نہ ان مصادر و مآخذ کے حوالے دیئے گئے ہیں، جن سے مصنف نے فقہی و حدیثی مواد اخذ کیا ہے۔

کیا یہ مولانا ٹھٹھوی کی کتاب ہے؟

بے حد کم علمی و بے مائگی کے احساس کے باوجود مجھے اس رسالہ کے مولانا ٹھٹھوی کی تصنیف ہونے میں شک ہے۔ میرے اس شک کے اسباب حسب

ذیل ہیں:

① بلا شک وشبہ مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بہت بڑے عالم تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ تحقیق وتدقیق اور قابل اعتماد مصادر وماٰخذ کے حوالہ کے بغیر یہ رسالہ لکھیں؟

② ناشر ومترجم کو چاہئے تھا وہ مصنف کے خط کا عکس شائع کرتے، جس سے معلوم ہوتا کہ یہ واقعی مصنف کا رسالہ ہے؟

③ اس رسالہ کی تاریخ تالیف لکھنا بھی ضروری تھا، جس سے معلوم ہوتا کہ مصنف اپنی وفات تک اسی مذہب پر قائم رہے؟

④ ان مصادر وماٰخذ کی نشاندہی بھی ضروری تھی، جن سے مؤلف نے استفادہ کیا تاکہ ہمیں ان مصادر ومراجع کے مؤلفین کے علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا، جیسا کہ ٹھوس علمی بحث کا اسلوب وانداز ہے، نیز ان مصادر ومراجع کی تاریخ طباعت اور ان مطابع کا ذکر بھی ضروری تھا، جن میں یہ زیور طبع سے آراستہ ہوئے۔

⑤ یہ بیان کرنا بھی ضروری تھا کہ مؤلف نے اپنے کس شاگرد کو اس رسالہ کی اجازت دی نیز یہ کہ وہ شاگرد ثقہ وعادل ہے تاکہ کسی بھی مریض دل یا فاسد ضمیر کے مالک انسان کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنی طرف سے اس رسالہ میں ایسی عبارات بھی داخل کردے، جو مصنف نے اس میں درج نہیں کیں۔

⑥ اگر یہ تمام امور صحیح طور پر ثابت ہوجائیں تو پھر بلاشبہ اس رسالہ کی مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ثابت ہوگی۔

⑦ اگر مذکورہ بالا امور ثابت ہوجائیں اور مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس رسالہ کی نسبت صحیح ثابت ہوجائے تو پھر اس رسالہ پر ہمارے اعتراضات حسب ذیل ہیں، اعتراض سے پہلے ہم مؤلف کی اصل عبارت ذکر کریں گے اور پھر اس پر اعتراض، تاکہ بات نقل کرنے یا منسوب کرنے کے اعتبار سے ہم پر کوئی خیانت

کا الزام عائد نہ کر سکے۔

پہلا اعتراض

۱۔ "کشف الرین عن مسئلة رفع الیدین

کتاب کا یہ نام ہی بہت برا ہے، کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے دیدار کا مشتاق ہو اور اپنے نبی حضرت محمد ﷺ اور آپ کی سنت مطہرہ سے محبت رکھتا ہو کہ وہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب کو اس نام سے موسوم کرے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی اس سنت کی تحقیر و توہین ہے، جو تواتر سے ثابت ہے جیسا کہ بہت سے حضرات صحابہ کرامؓ کے حوالہ سے اسے بیان کیا جائے گا۔

"رین" کے لغوی و اصطلاحی معنی

علامہ امام مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری المتوفی ۶۰۶ھ اپنی کتاب "النهاية فی غريب الحديث والاثر" میں مادہ "رین" کے تحت حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے اسیفع جهینه کے بارے میں یہ کہا تھا کہ اصبح قد رین به یعنی قرض نے ان کے سارے مال کا احاطہ کر لیا۔ اور رین بالرجل رینا اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے، جس سے نکلنے کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو۔ "رین" کے اصل معنی مہر لگا دینے، ڈھانپ دینے اور چھپا دینے کے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

"دیکھو ان کے دلوں پر زنگ بیٹھ گیا ہے"

یعنی ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے۔ [1]

"رین" کے معنی حد درجہ بدترین ہیں، جو اس میں واقع ہو جائے، وہ نکل نہیں سکتا لہٰذا کتاب کا نام "کشف الرین" بالکل غلط ہے، کسی بھی مسلمان کو جو اپنے رب کا

---

[1] النہایہ لابن الاثیر ۲/۲۹۰۔۲۹۱ طبع الحلبی، مصر ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء۔

اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو، یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مسئلہ رفع الیدین کو اس نام سے موسوم کرے کیونکہ یہ تو رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے ثابت ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ ریَن ایک خبیث اور حد درجہ قبیح مادہ ہے، جب انسان اس میں مبتلا ہو جائے تو وہ اس سے نکلنے کی کبھی بھی استطاعت نہیں رکھتا لہٰذا مصنف نے اس بات کو کیونکر گوارا کیا کہ وہ اس رسالہ کو اس بدترین نام سے موسوم کرے حالانکہ وہ ایک مسلمان عالم تھے جو کہ عرصہ دراز ہوا اپنے رب کے پاس پہنچ چکے ہیں؟ نماز میں مسئلہ رفع الیدین کے بارے میں بہت سی احادیث ثابت ہیں، جن میں سے بعض کو ان شآء اللہ آئندہ بیان کیا جائے گا، اگر مصنف کو ان احادیث کے بارے میں علم نہیں ہوسکا تو وہ ترک رفع الیدین کے بارے میں رسالہ لکھ سکتے تھے مگر وہ اسے کسی دوسرے مناسب عنوان سے موسوم کرتے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث ذکر کرتے بشرطیکہ ایسی احادیث ثابت بھی ہوں تا کہ بحث کا انداز علمی و تحقیقی ہوتا اور پھر بلند پایہ علمی و تحقیقی اسلوب و انداز کے مطابق اپنی تحقیق کے قابل اعتماد مصادر و مآخذ کا حوالہ بھی دیتے کیونکہ علمی و تحقیقی مباحث میں اپنے جذبات، رجحانات، احساسات اور تعصبات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، جن میں آج دنیا غرق ہے الا ماشآء اللہ کیونکہ اس سے تو اسلامی معاشرہ میں اختلاف، نزاع اور افتراق و انتشار پھیلتا ہے، جب کہ یہ فروعی مسائل ہیں اور امت کو تو اس وقت عقیدہ، اقتصاد، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، سیاست، اسلامی اخوت و محبت اور قانون سازی اور اس کے نفاذ کے سلسلہ میں ان بڑے بڑے مسائل کا سامنا ہے، جن سے دشمنان اسلام عرصہ دراز سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، انہوں نے امت کو تشویش میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس صراط مستقیم کو بھی تاریک بنا دیا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور حضرت محمد ﷺ نے اپنی صحیح سنت مطہرہ میں نشان دہی فرمائی تھی۔

ہمیں بھی اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ ہم اس رسالہ کو بحث وتحقیق کے میزان میں رکھیں اور پھر ان دلائل کا جائزہ لیں، جو مصنف نے ترک رفع الیدین کے بارے میں ذکر کیے ہیں لیکن اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کی عدالت وامامت سے متعلق یا ان کے خلاف کچھ ذکر کریں کیونکہ وہ امام زاہد، متقی، پرہیز گار اور مسلمانوں کے اماموں میں سے ہیں، ان کے بارے میں طعن کسی طرح بھی جائز نہیں اگرچہ آپ کے روایت احادیث، ان کے ضبط وسماعت، ان کے لئے سفر اور معاصر شیوخ سے اخذ روایت کے حوالہ سے کافی کلام ہے۔ مترجم یا مؤلف نے اس رسالہ کشف الرین کے صفحہ ۴ پر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء بھی ذکر کیے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن کے زمانہ کو پایا تھا اور یہ اکیس صحابہ ہیں، مؤلف یا مترجم نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء کو شیخ مسعود بن شیبہ بن حسین سندھی جو ساتویں صدی میں فوت ہوئے، کی کتاب ''التعلیم'' کے مقدمہ کے حاشیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ص ۲۸۔۳۴)

علماء اور محققین کی نظر میں یہ حوالہ قطعاً کافی وشافی نہیں ہے کیونکہ ہر فن اور موضوع کے اپنے اصلی وفرعی مصادر ہوتے ہیں لیکن یہ حوالہ نہ اصلی ہے اور نہ فرعی اور اس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

1. مؤلف بہت متاخرین میں سے ہے، اس کے پاس کوئی مستقل سند نہیں ہے، جس سے وہ اس موضوع کو ثابت کر سکے۔

2. مؤلف کی یہ کتاب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ان کی عمروں، وفیات، اور ان کے اعمال جلیلہ سے متعلق نہیں ہے کہ جس میں ان کا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنا اور ان سے تابعین کا روایت کرنا مذکور ہو۔ اس سلسلہ میں میں نے جب ''طبقات ابن سعد الکبریٰ'' المتوفی ۲۳۵ھ کی طرف رجوع کیا تو اس سے ان کی ولادت ووفات کے سالوں اور امام ابو حنیفہؒ کی ان سے روایت کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ملا۔

۞ مترجم یا مؤلف نے صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن ابی اَوفیٰ کا نام بھی ذکر کیا ہے، ان کے والد کا نام علقمہ خالد بن حارث اسلمی ہے، یہ حدیبیہ میں حاضر ہوئے، آنحضرت ﷺ کے بعد بھی کافی عرصہ حیات رہے اور ۸۷ھ میں فوت ہوئے، یہ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی تھے اور یہ کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں (یہ حافظ نے تقریب ص ۴۰۲ ج ۱ میں ذکر کیا ہے)

یعنی تمام کتب ستہ میں ان سے مروی کافی احادیث ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے "تقریب التھذیب" میں ذکر کیا ہے، ان کی وفات کے وقت امام ابوحنیفہؒ کی عمر سات سال تھی لیکن کتب حدیث میں کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں ہے، جو امام ابو حنیفہؒ نے ان سے روایت کی ہو حالانکہ آپ بھی کوفی ہیں اور ان کا انتقال بھی کوفہ میں ہوا تو کہاں ہے وہ روایت جو امام ابوحنیفہؒ نے اس صحابی سے لی ہے؟

۞ پھر مؤلف یا مترجم نے حضرت انس بن مالک ؓ کا نام ذکر کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ ان کی وفات ۹۱ یا ۹۳ھ میں ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب ص ۸۴ ج ۱، میں لکھا ہے کہ انس بن مالک بن نضر انصاری خزرجی، رسول اللہ ﷺ کے خادم ہیں، جنہیں دس سال خدمت کا شرف حاصل ہوا، آپ مشہور صحابی ہیں، ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں انتقال فرمایا جب کہ عمر شریف سو سال سے بھی متجاوز تھی، آپ کی احادیث کتب ستہ میں موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایک حدیث کا غلط انتساب

مؤلف نے ص ۲۷ پر ذکر کیا ہے:

قال ابو حنيفة سمعت انس بن مالك رضى الله عنه يقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول طلب العلم فريضة على كلِّ مسلم۔

(امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ میں نے انس بن مالک ؓ سے سنا

ہے، بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے
ہوئے سنا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے)

مؤلف یا مترجم نے اس سند اور متن کو کسی بھی ایسے مصدر یا مرجع کے بغیر ذکر کیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب یہ جھوٹی روایت موجود ہو۔ یہ حدیث کہ "طلب العلم فریضۃٌ علیٰ کل مسلم" رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ علامہ شیخ اسماعیل عجلونی جراحی نے اپنی کتاب "کشف الخفأ و مزیل الألباس عما اشتھر من الأحادیث علی ألسنۃ الناس" حدیث ۱۶۶۵ ص ۴۳ ج ۲ میں ذکر کیا ہے کہ اس روایت کو ابن ماجہ نے اور ابن عبدالبر نے "العلم" میں بروایت حفص بن سلیمان، حضرت انس سے مرفوعاً ذکر کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"وواضع العلم عند غیراھلہ کمقلد الخنازیر اللؤلؤ والذھب"

(کسی نا اہل کو علم دینے والا اس طرح ہے جیسے کوئی خنزیروں کو موتی اور سونے کا ہار پہنا دے)

پھر عجلونی نے لکھا ہے کہ "المقاصد" میں ہے کہ حفص بن سلیمان بہت ضعیف ہے بلکہ بعض نے تو اس راوی پر وضع اور کذب کا الزام بھی لگایا ہے"

بہر حال اس حدیث کی اسنادی حیثیت جو بھی ہو، یہ بات طے شدہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اسے ہرگز روایت نہیں کیا، ہاں بہت سے تابعین نے اسے حضرت انسؓ سے ضرور روایت کیا ہے لیکن یہ متن قطعاً کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ نقاد حدیث نے ذکر کیا ہے۔ یاد رہے اس راوی حفص بن سلیمان سے مراد حفص بن سلیمان اسدی ہے جو کہ ابو عمر و ابزار کوفی غاضری ہے اور یہی حفص بن ابی داؤد القاری صاحب عاصم ہے، جسے حفیص بھی کہا جاتا ہے، حافظ نے "التقریب" ترجمہ ۱۴۰۵ ص ۱۸۶/۱، میں لکھا ہے کہ یہ متروک یعنی متہم بالکذب ہے، ۱۹۰ھ میں نوے سال کی عمر

میں فوت ہوا۔ حافظ ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' ص ۷۸۸۔۷۹۱/۲ میں اپنی سند کے ساتھ امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حفص کذاب تھا، امام نسائی نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ حافظ ابن عدی نے اس حدیث کو اس طرح ذکر کیا ہے:

حد ثنا أحمد بن محمد بن عبدالعزيز بن الجعد، حدثنا محمد بن بكار، حدثنا حفص بن سليمان، عن كثير بن شنظير، عن انس بن سيرين، عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ "طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم"

یہ ہے وہ حدیث جسے مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی یا مترجم شیخ ابوالعلا محمد عبدالعلیم ندوی نے بطریق امام ابوحنیفہؒ از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ذکر کیا ہے لیکن بات یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہ روایت قطعاً ثابت نہیں ہے۔

مسند امام ابوحنیفہؒ کی حقیقت

علامہ علاء الدین الحصکفی المولود ۱۰۲۵ھ اور المتوفی ۱۰ شوال ۱۰۸۸ھ جو کہ دمشق میں مفتی حنفیہ تھے، انہوں نے اس حدیث کو مسند ''امام ابوحنیفہ'' میں ذکر کیا ہے، جسے انہوں نے آپ تک اسناد کے بغیر تالیف کیا ہے لیکن نہیں معلوم کہ یہ امام ''ابوحنیفہ رحمہ اللہ'' کی مسند کس طرح ہوئی اور آپ سے کس طرح ثابت ہوئی؟ تعجب ہے کہ ایک شخص جو ۱۰۸۸ھ میں شام میں فوت ہوا، وہ ایک کتاب لکھتا ہے اور اسے ''مسند الامام ابی حنیفة بروایة الامام الحصکفی'' کے نام سے موسوم کرتا ہے، کیا علم و نقل، ضبط و روایت اور سماع کا یہ طریقہ کہیں مروج ہے؟ اللہ کی قسم! ایسا طریقہ کہیں مروج نہیں ہے بلکہ یہ تو ان مدعیانِ علم و فضل کے ہاتھوں سرزد ہونے والا ایک بدترین جرم اور اندھیر نگری ہے۔ ان لوگوں نے شائد یہ گمان کیا کہ علم نبوی شریف دنیا سے رخصت ہو گیا اور اس علم کے ماہرین بھی دنیا سے چل بسے لہٰذا وہ جس طرح چاہیں

لوگوں کی عقلوں کے ساتھ کھل کھیلیں، ان کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ حصکفی نے اس مسند کے ص ۲۰ پر دوسری حدیث اس طرح ذکر کی ہے:

ابو حنیفة رضی اللّٰہ عنه عن ناصح، عن یحییٰ، عن ابی سلمة عن ابی ھریرة رضی اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم : طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔

اس روائت کو انہوں نے اس طرح بیان کیا ہے لیکن یہ ایک انتہائی باطل اور قبیح بات ہے کیونکہ یہ اسناد اور یہ من گھڑت متن کتب حدیث میں سے کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے بلکہ بغیر کسی شرم و حیا کے یہ ایک سفید جھوٹ ہے اور اسے جھوٹ کیوں نہ قرار دیا جائے جب کہ اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنے استاد ناصح بن عبداللہ یا ابن عبدالرحمان تمیمی محلمی ابوعبداللہ حائک صاحب سماک بن حرب سے روایت کیا ہے اور اس راوی کے بارے میں حافظ تقریب ترجمہ ۹ ص ۲/۲۹۳ میں لکھتے ہیں کہ یہ ضعیف اور ساتویں طبقہ کے کبار راویوں میں سے ہے یعنی یہ ترمذی و ابن ماجہ کے رجال میں سے ہے۔

حافظ نے ''تہذیب'' ترجمہ ۷۲۱ ص ۱۰/۴۰۰ میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے سماک بن حرب، ابواسحاق سبیعی، یحیٰی بن ابی کثیر اور عطاء بن سائب سے روایت کی ہے، جب کہ اس سے امام ابوحنیفہؒ نے روایت کی ہے اور وہ ان کے ساتھیوں میں سے ہیں، پھر حافظ نے اس روایت کرنے والے کچھ اور لوگوں کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ دوری یعنی عباس نے ابن معین سے اس کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ لیس بشیئی ہے، عمرو بن علی الفلاس نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے، پھر حافظ نے ائمہ کبار کے حوالہ سے اس کے بارے میں بہت سی جرح نقل کی ہے، اس طرح علامہ ذہبی نے بھی اس کے بارے میں ''میزان الاعتدال'' ترجمہ نمبر ۸۹۸۸ ص ۴/۲۴۰ میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ

منکر الحدیث ہے، فلاس نے اسے متروک قرار دیا ہے، جب کہ ابن معین کبھی اسے لیس بشیئی اور کبھی لیس بثقۃٍ قرار دیتے ہیں۔

جب اس راوی کا یہ حال ہے تو امام ابوحنیفہؒ اس سے کس طرح روایت کر سکتے ہیں؟ اس راوی پر بہت جرح کی گئی ہے اور جرح بھی مفسر ہے لہٰذا متأخرین میں سے اسے کوئی ثقہ قرار دے بھی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس راوی پر امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم المتوفی ۳۲۷ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ اپنے والد امام ابوحاتم اور دیگر نقاد حدیث کے حوالہ سے اپنی کتاب ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ نمبر ۲۳۰۳ میں طعن کیا ہے اور اپنی سند کے ساتھ امام یحیی بن معین سے اس ناصح کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے، اسی طرح امام فلاس نے کہا ہے کہ ناصح بن عبداللہ متروک الحدیث یعنی متہم بالکذب ہے۔

امام ابوالحجاج المزی نے ''تہذیب الکمال'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات تفصیل سے ذکر کئے ہیں (ص ۱۴۱۵۔ ۳/۱۴۱۸) اور عدالت اور فقہ و رائے میں امانت کے حوالہ سے آپ کی بہت تعریف کی ہے لیکن لکھا ہے کہ حدیث میں آپ کا حافظہ قوی نہ تھا شاید یہی وجہ ہے کہ آپ ناصح بن عبداللہ الحائک سے بھی روایت کرتے ہیں جو کہ متہم بالکذب ہے، اگر امام صاحب کو اس کے بارے میں علم ہوتا تو اس سے کبھی بھی روایت نہ کرتے۔ اس طرح ان تمام راویوں کا بھی یہی حال ہے، جنہیں مؤلف یا مترجم نے ''کشف الرین'' میں تحقیق وتدقیق اور خالص علمی بحث کے بغیر علمی امانت و دیانت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ سلف و خلف اہل علم میں سے کوئی بھی اس اسلوب و انداز کو قبول نہیں کر سکتا، البتہ ان عوام الناس کی بات دوسری ہے، جنہیں حق اور صواب کا علم ہی نہیں۔...... واللہ اعلم

رسالہ پر تنقید

مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی نے اس رسالہ کے ص ۲۸ پر لکھا ہے کہ ''مجھ سے حالت

رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت مسئلہ رفع الیدین کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا اس کی ممانعت کے بارے میں کوئی ایک یا زیادہ احادیث وارد ہیں اور کیا یہ احادیث ثابت، مقبول اور صحیح ہیں یا نہیں؟

مولانا ٹھٹھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ص ۲۹ پر لکھا ہے کہ معلوم ہونا چاہئے کہ دونوں طرف احادیث ثابت ہیں یعنی حالت رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے اثبات کے بارے میں بھی اور دونوں حالتوں میں رفع الیدین کی نفی کے بارے میں بھی لیکن ہم نفی کے پہلو کے بارے میں دو فصلوں میں گفتگو کریں گے، فصل اول میں ان احادیث و آثار کو ذکر کیا جائے گا، جو دونوں مذکورہ حالتوں میں رفع الیدین کی نفی کے بارے میں وارد ہیں اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

ان احادیث میں سے ایک تو حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہے، جسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، طحاوی اور مسانید امام ابوحنیفہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

”حدثنا عثمان بن أبي شيبة، نا وكيع، عن سفيان، عن عاصم، يعني ابن كليب...... عن عبدالرحمٰن بن الاسود، عن علقمة قال: قال عبدالله بن مسعود رضي الله عنه: الآ اصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال: فصلى فلم يرفع يديه الامرة واحدة“

مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ وغفرلہ نے اس حدیث کو سند کے ساتھ سنن ابی داؤد سے اس طرح نقل کیا ہے، میں نے سنن کی طرف رجوع کیا تو اس میں واقعی یہ حدیث اسی طرح ہے، یہ حدیث نمبر ۷۴۸ ہے، امام ابوداؤد نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا

ہے۔ ”باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع “اور پھر اس اسناد اور متن کو بیان کیا ہے، جسے مولانا ٹھٹھوی نے ذکر کیا ہے لیکن اس حدیث کے آخر میں امام ابوداؤد کا جو تبصرہ ہے، اسے مولانا ٹھٹھوی گول کر گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یہ ایک طویل حدیث سے مختصر کی گئی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ یہ صحیح نہیں ہے، امام ابوداؤد نے ان الفاظ میں اس حدیث پر تبصرہ کیا ہے اور اس تبصرہ میں دو احتمال ہیں:

❶ آپ کا یہ اشارہ اس طویل حدیث کی طرف ہے، جس کے بارے میں یہ کہا ہے کہ یہ ایک طویل حدیث سے مختصر کی گئی ہے اور ان الفاظ کے ساتھ یہ صحیح نہیں ہے۔

❷ یا آپ کا یہ کلام اور یہ تبصرہ اسی اسناد و متن اور حدیث کے بارے میں ہے جسے امام ترمذیؒ نے بھی جامع، حدیث نمبر ۲۰۷ میں اپنے شیخ ھناد بن سرّی بن مصعب تمیمی، ابوسری کوفی سے روایت کیا ہے جو کہ ثقہ اور دسویں طبقہ سے ہے، ۲۴۳ھ میں وفات پائی جیسا کہ حافظ نے تقریب ترجمہ ۱۱۳ ص ۳۲۱/۲ میں ذکر کیا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس باب میں براءؓ بن عازب سے بھی روایت ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ حدیث ابن مسعود، حدیث حسن ہے۔ یاد رہے امام ترمذی کے نزدیک حدیث حسن وہ ہوتی ہے، جو ایک سے زیادہ سندوں سے مروی ہو، اس کی سند میں کوئی علت وشذوذ نہ ہو اور نہ کوئی ایسا راوی ہو، جس پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہو۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ کا یہ قول ثابت نہیں ہے کہ یہ حسن صحیح ہے جیسا کہ علامہ احمد بن محمد شاکر نے تعلیق ترمذی ص ۴۱/۲ میں یہ لکھا ہے کہ ”صحیح“ کا یہ زائد لفظ ثابت نہیں ہے کیونکہ حافظ زیلعی نے ”نصب الرایۃ“ ج ۱ ص ۳۹۴ طبع مصر، ابن حجر نے ”تلخیص“ ص ۸۳ اور نووی نے ”المجموع“ ج ۳ ص ۴۰۰ میں امام ترمذی سے اس کی صرف تحسین ہی کو نقل کیا ہے۔

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو امام احمدؒ نے بھی مسند ۴۴۱-۴۴۲/۱ میں اسی اسناد ”ثنا

وکیع ،عن سفیان، عن عاصم بن کلیب ،عن عبدالرحمان بن الاسود عن علقمہ'' کے ساتھ روایت کیا ہے،مسند کے نسخہ طبع قدیم جس کا ۱۳۸۹ھ میں عکسی ایڈیشن شائع ہوا، میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''فرفع یدیہ فی اول'' (پہلی مرتبہ رفع الیدین کیا) مسند میں امام احمد کے الفاظ اسی طرح ہیں لیکن آپ نے ''اول مرۃ'' (پہلی مرتبہ) کے الفاظ استعمال نہیں کئے اور پھر اس حدیث کی سند بھی صحیح نہیں جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

امام نسائی نے سنن صغریٰ میں اس حدیث کو بیان کیا ہے اور اس پر باب یہ قائم کیا ہے کہ باب'' رفع اليدين للركوع حذاء المنكبين ''(رکوع کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھایا جائے) اور پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ذکر کی ہے:

''رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم،اذا افتتح الصلاة يرفع يديه حتى يحاذي منكبيه، واذا ركع و اذا رفع راسه من الركوع''

(میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے (تو پھر بھی دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے)

پھر انہوں نے ایک دوسرے باب کو اس طرح قائم کیا ہے کہ'' ترک ذلک''(اس کا ترک) پھر امام نسائی نے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے:

اخبرنا سويد بن نصر، قال أنبأنا عبدالله بن المبارك ، عن سفيان، عن عاصم بن كليب، عن عبدالرحمن بن الاسود، عن علقمة، عن عبدالله قال الآ أخبركم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال فقام فرفع يديه

اول مرة، ثم لم یعده۔

(یعنی عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے پہلی بار دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور پھر اس کا اعادہ نہیں کیا)

امام نسائی نے سنن صغریٰ ص ۲/۱۸۲ میں اس حدیث کو اس اسناد اور متن کے ساتھ اسی طرح بیان فرمایا ہے، ان دو ابواب سے پہلے انہوں نے ص ۲/۱۸۲ پر ایک باب اس طرح قائم کیا ہے" رفع الیدین حذاء فروع الأذنین" (دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ تک دونوں ہاتھوں کو اٹھانا) اور اس باب میں انہوں نے درج ذیل حدیث کو بیان کیا ہے:

اخبرنا علی بن حجر، قال أُنبأنا اسماعیل، عن سعید، عن قتادة، عن نصر بن عاصم اللیثی، عن مالك بن الحویرث قال: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یرفع یدیه إذا کبّر، و اذا رکع، و اذا رفع رأسه من الرکوع حتی بلغتا فروع اذنیه۔

(یعنی مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے جب اللہ اکبر کہتے، جب رکوع کو جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے حتیٰ کہ وہ دونوں کانوں کے اوپر کے حصہ تک پہنچ جاتے)

اس طرح امام نسائی نے باب باندھا اور پھر اسانید و متون احادیث کو اس نادر اور کمال درجے کی علمی امانت و دیانت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، پھر یہ بھی ضروری ہے کہ امام نسائی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دیگران تمام محدثین کے اسلوب و انداز کا بنظر عدل و انصاف جائزہ لیا جائے، جنہوں نے اپنی جوامع، سنن، مسانید اور اجزاء میں ان

احادیث کو اس کیفیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مجھے اس بات کا کوئی حق حاصل نہیں کہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی سند یا متن پر طعن کروں لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ اس حدیث کو اس کلام کے بغیر چھوڑ دیا جائے، جو ان ماہرین و نقاد ائمہ حدیث سے اس کی سند اور متن کے بارے میں منقول ہے، جنہوں نے اس زندہ جاوید اور عظیم میراث نبوی کو کمال صدق و امانت اور عدل و انصاف کے ساتھ ہم تک پہنچایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسناد

امام ترمذیؒ نے "**باب ماجآء فی رفع الیدین عند الرکوع**" (حدیث ۲۵۵ ص ۳۵، ۴۰) میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کی ہے:

"حدثنا قتيبة بن سعيد ، و ابن أبي عمر، قالا: حدثنا سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتّٰى يحاذي منكبيه، واذا ركع، و اذا رفع رأسه من الركوع"

(سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے اور جب رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے (تو پھر بھی دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے)

ابن ابی عمر کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "وكان لايرفع بين السجدتين" (آپ دونوں سجدوں کے درمیان رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے)

پھر امام ترمذیؒ نے اس (حدیث نمبر ۲۵۶) کے بعد لکھا ہے کہ ہم سے فضل بن صباح بغدادی نے اور ان سے سفیان بن عیینہ نے اور ان سے امام زہریؒ نے اسی سند کے

ساتھ حدیث ابن ابی عمر کی طرح بیان کی ہے۔ پھر امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ وائلؓ بن حجر، مالک بن حویرثؓ، انس بن مالکؓ، ابوہریرہؓ، ابوحمیدؓ، ابواسیدؓ، سھل بن سعدؓ، محمد بن مسلمہؓ، ابوقتادہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، جابر بن عبداللہؓ انصاری اور عمیرؓ لیثی سے بھی احادیث مروی ہیں۔ پھر انہوں نے ان حضرات صحابہ کرام ﷺ کے اسماء گرامی کے آخر میں، جنہوں نے ابن عمر اور مالک بن حویرث کی اس حدیث کو بیان کیا ہے لکھا ہے کہ ''حدیث ابن عمر حسن اور صحیح ہے'' اور حضرات صحابہ کرامؓ میں سے بعض اہل علم کا یہی قول ہے، جن میں سے حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور کئی دیگر بطور خاص قابل ذکر ہیں، اسی طرح تابعین میں سے امام حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، طاؤس، مجاہد، نافع، سالم بن عبداللہ اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے امام مالکؒ، معمرؒ، اوزاعیؒ، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راھویہؒ کا بھی یہی قول ہے، پھر امام ترمذیؒ نے ان اسماء گرامی کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ رفع الیدین کی حدیث ثابت ہے اور یہاں انہوں نے امام زہری کی سالم سے اور ان کی اپنے والد سے حدیث کو ذکر فرمایا ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی یہ حدیث ثابت نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صرف پہلی بار رفع الیدین کیا تھا۔

حضرت امام ترمذیؒ کی بیان کی ہوئی اس تفصیل سے ہم سب کو یہ آگاہی ہو جاتی ہے کہ رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی وہ روایت صحیح نہیں ہے، جسے امام ابوداوُدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ، ابوبکر بن ابی شیبہؒ، طحاویؒ، عبدالرزاقؒ، نے ''مصنف'' میں اور بیہقیؒ نے ''سنن الکبریٰ'' میں بیان کیا ہے اور مولانا محمد ہاشم ٹھٹھویؒ نے بھی جسے ''کشف الرین'' میں ذکر کیا ہے، پھر امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے مذکورہ بالا قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سند اس طرح

بیان کی ہے:

حدثنا أحمد بن عبدة الآملي، حدثنا وهب بن زمعة، عن سفيان بن عبدالملك، عن ابن المبارك"

"اس طرح، امام ترمذیؒ نے اس سند کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ امام عبداللہ بن مبارکؒ نے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، پھر امام ترمذیؒ (ص ۳۹/۲) فرماتے ہیں:

"حدثنا يحيىٰ بن موسىٰ قال: حدثنا اسماعيل بن أبي اويس قال: كان مالك بن انس يرى رفع اليدين في الصلاة۔

(امام مالک بن انس نماز میں رفع الیدین کے قائل تھے)

پھر انہوں نے ان مقامات پر رفع الیدین کو، جن کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ذکر ہے، امام معمر بن راشد ازدی سے کئی سندوں سے ثابت کیا ہے۔ مثلاً انہوں نے اسناد کے ساتھ امام سفیان بن عیینہؒ، عمر بن ہارون اور نضر بن شمیل کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ سب ائمہ کرام نماز کو شروع کرتے وقت، رکوع کرتے وقت، اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔"

اس طرح امام ترمذی نے اس سنت کے اثبات کے لئے اس منفرد اور باکمال انداز کو اختیار کیا ہے اور ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کو جسے مولانا ٹھٹھوی نے بھی بیان کیا ہے، ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس حدیث کو امام، حافظ، محدث، مفسر اور فقیہ محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغویؒ (المتوفی ۵۱۰ھ) نے بھی اپنی عظیم الشان کتاب "شرح السنہ" (ص ۲۰، ۳۰/ج ۳) کے:

"باب رفع اليدين عند تكبيرة الإفتتاح، و عند الركوع، والإرتفاع عنه، والقيام من الركعتين"

میں ضعیف قرار دیا ہے اور پھر امام بغوی نے رفع الیدین کے اثبات کے لئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث (۵۵۹) کو بیان فرمایا ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے ان شآء اللہ تعالیٰ پھر علامہ بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (ص ۳/۲۴) کچھ لوگوں کا یہ مذہب ہے کہ رفع الیدین صرف تکبیر افتتاح کے وقت کیا جائے۔ یہ شعبی نخعی، ابن لیلیٰ، سفیان ثوری اور اصحاب رائے کا مذہب ہے اور انہوں نے حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الآ اصلی بکم.......... الخ سے استدلال کیا ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، جسے ہم تخریج کے ساتھ قبل ازیں بیان کر آئے ہیں، پھر امام بغویؒ نے لکھا ہے کہ ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کرنے کی احادیث زیادہ صحیح اور ثابت ہیں لہٰذا افضل یہ ہے کہ ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث کہ "انهٔ لَا يرفع إلا أول مرة" ثابت نہیں ہے۔ امام ابو سلیمان خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ سنت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہو سکی ہو جیسا کہ رکوع میں گھٹنوں کو پکڑنے کی سنت انہیں معلوم نہ ہو سکی تھی اور وہ پہلے حکم کے مطابق تطبیق پر عمل کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں کے درمیان ہی رکھتے تھے جب کہ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ان کے خلاف تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور مسئلہ تطبیق

اس طرح امام بغویؒ نے حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور پھر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے حوالہ سے یہ بھی ذکر فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، یہی بات امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے ذکر فرمائی ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس سند کو جو حسن قرار دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ امام ترمذیؒ تصحیح و تحسین میں بہت متساہل ہیں جیسا کہ اصول حدیث پر لکھنے والے بہت سے مصنفین نے یہ ذکر کیا ہے۔ حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تطبیق منسوخ ہے لیکن وہ ساری زندگی تطبیق ہی پر عمل کرتے رہے، جب کہ دیگر صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک کا عمل بھی اس کے مطابق نہ تھا۔ تطبیق کی یہ حدیث سنن ابی داوٗد، سنن ترمذی، سنن الدارقطنی اور السنن الکبریٰ بیہقی میں بروایت عبدالرحمان بن الاسود از علقمہ از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

امام نسائی نے سنن الصغریٰ کے ۱۸۳۔۲/۱۸۴ باب التطبیق میں اس مفہوم کی تین احادیث ذکر کی ہیں جن میں سے آخری حدیث اس طرح ہے:

اخبرنا نوح بن حبیب ، قال انبأنا ابن ادریس، عن عاصم بن کلیب، عن عبدالرحمٰن بن الأسود، عن علقمة، عن عبداللّٰه قال: علمنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم الصلاة فکبر، فلما أراد ان یرکع طبق یدیه بین رکبتیه، و رکع فبلغ ذلك سعداً فقال: صدق اخی قدکنا نفعل هذا ثم أمرنا بهذا، یعنی الامساك بالرکب"

(حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی آپ نے تکبیر کہی اور جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان داخل کر لیا اور رکوع کیا۔ حضرت سعد کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا میرے بھائی نے سچ کہا ہے، ہم اسی طرح کیا کرتے تھے مگر پھر ہمیں یہ حکم دے دیا گیا یعنی گھٹنوں کو پکڑنے کا)

یہ ہے وہ حدیث جس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ۳۲ھ میں وفات تک عمل کرتے رہے، یہ ایک مشہور و معروف بات ہے، سلف و خلف میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہ سنت صحیحہ نہ پہنچی جس نے تطبیق کو منسوخ قرار دے دیا تھا اور جسے ائمہ ستہ میں سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور اصحاب سنن

اربعہ نے اپنے اپنے سنن میں بروایت مصعب بن سعد از سعد بن أبی وقاص ﷛ بیان کیا ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے ''الجامع الصحیح'' کتاب الاذان باب نمبر ۱۱۸ باب وضع الاکف علی الرکب (گھٹنوں پہ ہتھیلیاں رکھنے کا باب) میں اپنی سند کے ساتھ حدیث نمبر ۷۹۰ (ص ۳/۲۷۳۔ الفتح) اس طرح بیان فرمائی ہے:

حد ثنا ابوالولید، قال حدثنا شعبة، عن ابی یعفور قال: سمعت مصعب بن سعد یقول: صلیت إلٰی جنب أبی فطبقت بین کفی ثم وضعتهما بین فخذی، فنهانی أبی وقال: کنا نفعله فنهینا عنه، وأمرنا أن نضع أیدینا علی الرکب"

(ابو یعفور سے روایت ہے کہ میں نے مصعب بن سعد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے اپنے والد کے قریب نماز پڑھی اور میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑا اور انہیں اپنی دونوں رانوں کے درمیان رکھ لیا، میرے والد صاحب نے مجھے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ ہم ایسا کرتے تھے پھر ہمیں اس سے منع کر دیا گیا اور ہمیں حکم یہ دیا گیا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا کریں)

یہ ہے وہ حدیث جو صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کو نہیں پہنچی تھی اور وہ تادم وفات تطبیق پر ہی عمل کرتے رہے، اس سے آپ کی شان میں، آپ کے علم وفضل میں اور اس مقام ومرتبہ کی بلندی میں قطعاً کوئی فرق نہیں آتا، جو آپ کو رسول اللہ ﷺ، حضرات صحابہ کرام ﷛ اور تابعین وتبع تابعین رحمھم اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں حاصل تھا کیونکہ آپ سے اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام ﷛ سے بہت سی باتیں مخفی رہ گئی تھیں مگر جب انہیں اپنے نبی ﷺ سے ثابت صحیح سنت پہنچ گئی تو انہوں نے سر تسلیم

ختم کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس سنت کے سپرد کر دیا اور یہ ایک بالکل واضح امر ہے جس میں کوئی شک نہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور بھی بہت سے مسائل مخفی رہے لیکن ہم تفصیل میں جا کر اس موضوع کو طول نہیں دینا چاہتے۔ حافظ فتح الباری ص ۲/۲۷۴ میں اس تطبیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں، جسے شروع شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار کیا تھا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تھا...... کہ ابن خزیمہ نے اسے ایک اور سند کے ساتھ بھی علقمہ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا اور جب آپ نے رکوع کا ارادہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان کر لیا اور رکوع کیا۔ حضرت سعد کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی نے یہ سچ کہا، ہم اسی طرح کرتے تھے لیکن پھر ہمیں یہ حکم دے دیا گیا۔ یعنی گھٹنوں کو پکڑنے کا، تو مصعب بن سعد کے طریق کے لئے یہ ایک قوی شاہد ہے، پھر حافظ نے بہت سی روایات ذکر کی ہیں اور انہیں صحیح بھی قرار دیا ہے اور وہ تمام اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ نماز میں تطبیق منسوخ ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ بات نہ پہنچ سکی کہ تطبیق منسوخ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ترک رفع الیدین کی روایت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا دیگر مقامات میں رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں خبر دینا بھی اسی قبیل سے ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

1. اس روایت کی آپ تک سند ہی صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ابھی امام ترمذیؒ، بغویؒ اور خطابیؒ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے حتیٰ کہ امام ابن ابی حاتم ''العلل'' حدیث نمبر ۲۰۸ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یعنی امام محمد بن ادریس ابو حاتم حنظلیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت غلط

ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ ثوری کو اس میں وہم ہوا ہے کیونکہ عاصم سے اس حدیث کو ایک جماعت نے بیان کیا ہے اور ان سب نے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم افتتح الصلوٰۃ فرفع یدیہ ثم رکع فطبق و جعلھما بین رکبتیہ۔

(یعنی نبی اکرم ﷺ نے نماز کو شروع فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، پھر آپ نے رکوع کیا اور تطبیق کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں کے اندر کر لیا)

اور ان میں سے کسی نے بھی یہ الفاظ بیان نہیں کیے، جو ثوری نے روایت کیے ہیں (العلل ص ۹۶/۱) لہٰذا ہر منصف و عادل شخص کو چاہئے کہ وہ اس علت قادحہ پر غور کرے جسے بڑے بڑے نقاد اور حفاظ نے بیان کیا ہے، جن میں سر فہرست امام ابو حاتم محمد بن ادریس حنظلی ہیں، علاوہ ازیں اس فہرست میں امام عبداللہ بن مبارکؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداوٗدؒ، امام بغویؒ، امام خطابیؒ اور دیگر بے شمار جلیل القدر محدثین شامل ہیں اور ان سب نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک شاذ روایت ہے اور شاذ روایت صحیح نہیں ہوتی۔ شاذ روایت وہ ہوتی ہے، جس میں ایک ثقہ راوی بہت سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔ بلا شک ثوری ثقہ ہیں لیکن بلا شبہ وہ اس حدیث کے بارے میں وہم میں مبتلا ہو گئے ہیں، جب کہ حفاظ حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت نے عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ عاصم بن کلیب بن شہاب مجنون جرمی کوفی کے بارے میں حافظ تقریب ترجمہ نمبر ۲۵ ص ۳۸۵/۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہے، مرجئہ میں سے ہونے کی اس پر تہمت لگائی گئی ہے، پانچویں طبقہ میں سے ہے، ۱۳۰ھ کے بعد انتقال ہوا، یہ امام بخاری کی معلق روایات کے رجال میں سے نیز مسلم اور سنن اربعہ کے رجال میں سے ہے۔ اس کے حالات کا اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ متابعات و شواہد کے لئے تو

صالح ہے مگر انفرادی طور پر اس کی روایت قابل استدلال نہ ہوگی اور پھر یہاں تو ان کے شاگرد امام سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی وہم ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ترمذیؒ کا تساہل

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے تو سوال یہ ہے کہ یہ حسن کیسے ہو سکتی ہے جب کہ خود انہوں نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے یہ روایت کیا ہے کہ حدیث ابن مسعودؓ ثابت نہیں ہے۔ پھر امام ترمذیؒ کی جلالت قدر، عظمت شان اور حدیث وعلوم حدیث میں بلندی مرتبت کے باوجود نقاد وحفاظ سنت نے آپ کے بارے میں یہ کہا ہے کہ آپ حدیث کو صحیح وحسن قرار دینے کے بارے میں بہت متساہل ہیں، کتب اصول حدیث میں اس موضوع کا دقت نظر، امانت اور اخلاص کے ساتھ مطالعہ فرمایئے، علامہ ذھبیؒ السیر ۱۳/۲۷۰ میں امام ترمذیؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”الحافظ، العلم، الامام البارع، ابو عیسٰی السلمی، الترمذی الضریر، مصنف الجامع و کتاب العلل“

اور پھر السیر ۱۳/۲۷۴ میں جامع ترمذی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”یہ کتاب علم نافع، بے شمار فوائد اور اہم مسائل پر مشتمل ہے اور اصول اسلام میں سے ایک ہے۔ اے کاش! آپ اسے احادیث واہیہ سے مکدر نہ کرتے، جن میں سے بعض موضوع بھی ہیں اور ان میں سے بہت سی احایث کا تعلق فضائل سے ہے“ اور پھر ترمذی کی متکلم فیہ احادیث اور اس میں جو مختلف انواع کی احادیث موجود ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ذہبی السیر ۱۳/۲۷۶ میں فرماتے ہیں کہ ”اس کے مصنف کی امامت، حفظ اور فقاہت اگرچہ مسلم ہے لیکن وہ احادیث کے قبول کرنے میں تساہل سے کام لیتے ہیں اور کمزور احادیث کو ضعیف قرار دینے میں سخت موقف اختیار نہیں کرتے۔“

امام ذھبیؒ جو کہ ناقد اور رجال کے ماہر ہیں ان کا یہ قول عدل وانصاف اور صدق و وفا پر مبنی ہے۔ اپنی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں بھی انہوں نے امام ترمذیؒ کی تصحیح و تحسین پر بات کی ہے جیسا کہ اس کی طرف ''السیر'' (۱۳/۲۷۶) کے محقق نے بھی اشارہ کیا ہے۔ علامہ ذھبیؒ نے ''میزان الاعتدال'' ص ۳/۴۰۷ میں کثیر بن عبداللہ بن عمر بن عوف المزنی کے حالات میں لکھا ہے کہ ابن معین نے ان کو لیس بشیئی کہا ہے، امام شافعیؒ اور ابوداؤد نے ان کو ارکان کذب میں سے ایک رکن قرار دیا ہے، امام احمدؒ نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا تھا، امام دارقطنیؒ اور کئی دیگر ائمہ نے اسے متروک قرار دیا ہے، امام ابوحاتم فرماتے ہیں کہ لیس بشیئی جب کہ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ نہیں ہے، مطرف بن عبداللہ مدنی فرماتے ہیں کہ میں نے اسے دیکھا ہے، یہ بہت جھگڑالو تھے اور ہمارے اصحاب میں سے کوئی بھی اس سے روایت نہیں لیتا تھا لیکن امام ترمذیؒ نے ان کی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ ''الصلح جائز بین المسلمین'' اور پھر اسے صحیح بھی قرار دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علماء امام ترمذیؒ کی تحسین پر اعتماد نہیں کرتے۔ پھر السیر کے محقق نے لکھا ہے کہ علامہ ذھبی نے یحیٰی بن یمان ۴/۴۱۶ کے حالات میں حضرت ابن عباس ﷺ سے مروی اس حدیث کہ نبی اکرم ﷺ رات کو ایک قبر میں داخل ہوئے اور آپ کے لئے چراغ جلایا گیا کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے حالانکہ اس میں تین راوی ضعیف ہیں لہٰذا امام ترمذیؒ کی تحسین پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جب دیگر ائمہ نے مخالفت کی ہو تو ترمذی کی اکثر حسن روایات ضعیف ہوتی ہیں۔

اسی طرح یہ حدیث ابن مسعود ﷺ بھی ہے، جسے امام ترمذیؒ نے بیان کیا اور پھر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن اس کے باوجود خود انہوں نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

اسی طرح ''السیَر'' کے محقق نے امام ذھبیؒ کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے

کہ انہوں نے میزان ۳/۵۱۴ میں محمد بن حسن بن ابی یزید الھمدانی الکوفی کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ابن معینؒ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ ہم نے ان سے روایت کوسنا ہے، یہ ثقہ نہیں تھے اور کبھی انہوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ کذاب تھے، امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے، پھر انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوعاً یہ روایت:

"یقول اللّٰہ من شغله القرآن الكريم عن دعائي و مسألتي أعطيته أفضل ثواب الشاكرين"

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے قرآن کریم مجھ سے دعاء کرنے اور سوال کرنے سے مشغول رکھے تو اسے میں شکر کرنے والوں کے ثواب سے بھی افضل ثواب عطا کرتا ہوں)

ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے مگر انہوں نے یہ اچھا نہیں کیا۔

اس میں امام ترمذیؒ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کیوں کہ نہ تو آپ معصوم تھے اور نہ نسیان، لغزش اور خطاء سے محفوظ اس لئے اس سب کچھ کے باوجود آپ ان شاء اللہ ایک اجر کے ضرور مستحق ہیں۔ پھر "السیر" کے مصنف نے آگے لکھا ہے کہ ابن رجب شرح "العلل" ۳۹۵/۱ میں فرماتے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الجامع" میں حدیث صحیح، حدیث حسن، جو صحیح کے درجہ سے کم ہو اور اس میں کچھ ضعف ہو......اور حدیث غریب کو بیان کیا ہے۔

غریب روایات جن کو امام ترمذیؒ نے بیان کیا ہے، ان میں قابل اعتراض بعض بڑی باتیں بھی ہیں خصوصاً وہ روایات جو کتاب الفضائل میں ہیں لیکن اکثر و بیشتر صورتوں میں وہ خود بیان کر دیتے ہیں اور سکوت اختیار نہیں کرتے لیکن میرے علم کے مطابق انہوں نے کسی ایسے راوی کی حدیث کو اپنی اس کتاب میں بیان نہیں کیا جو

متہم بالکذب ہو اور جس کے اس اتہام پر اتفاق ہوا اور اس نے اسے ایسی سند کے ساتھ بیان کیا ہو جس میں وہ منفرد ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ ایک حدیث کو کئی طرق اور مختلف اسانید سے بیان کرتے ہیں اور اس کے بعض طرق میں کوئی راوی متہم بھی ہوتا ہے، چنانچہ انہوں نے محمد بن سعید مصلوب اور محمد بن سائب کلبی کی احادیث کو اسی طریق سے بیان کیا ہے۔

''السیر'' کے محقق نے امام زین العابدین بن رجب حنبلیؒ کی شرح ''العلل'' سے اسی طرح نقل فرمایا ہے اور یہ کلام واقعی اس میں موجود ہے نیز امام ذھبیؒ کی ''میزان'' کے حوالہ سے جو نقل کیا ہے، یہ بھی درست ہے۔

امام ترمذیؒ کے بارے میں یہ بہت سے حوالہ جات نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آپ حدیث کو صحیح یا حسن قرار دینے کے بارے میں بہت متساہل تھے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اس کے علل، شذوذ اور عدم صحت کو تو انہوں نے خود بھی بیان فرما دیا ہے۔ واللہ اعلم

حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ابوداؤدؒ کی رائے

تیسری بات جو ایک امین اور عادل و منصف محقق کے لئے ضروری ہے، وہ یہ کہ وہ کسی تعصب کے بغیر نقاد و حفاظ محدثین کے کلام کی روشنی میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے اور وہ اس طرح کہ ان معلل، شاذ اور شروط صحت سے عاری ضعیف روایات کا ان ماہر حفاظ حدیث کے کلام کی روشنی میں جائزہ لے اور پھر معاملہ انہی نقاد و ماہر محدثین ہی کے سپرد کر دے اور اپنی کوتاہی، کم علمی اور بے مائیگی کا اعتراف کرے، یہ اسلوب ہر محقق کے لئے دین کے حوالہ سے ان شآ اللہ تعالیٰ زیادہ سلامتی پر مبنی ہوگا، اسی سے امام حافظ شیخ الاسلام سلیمان بن اشعث ابی داؤد سجستانی کے اس کلام کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے، جو انہوں نے سنن ص ۱۹۹/۱ حدیث نمبر ۷۴۸ کے تحت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بیان

کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ''یہ حدیث طویل سے مختصر ہے اور ان لفظوں کے ساتھ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔''

امام احمدؒ کی رائے

امام ابوداؤد نے صراحت کے ساتھ یہ حکم اس کلام کی روشنی میں لگایا ہے، جو اس حدیث کے بارے میں عبدالرحمٰن نے اپنے والد گرامی امام ابوحاتم سے اور امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے نقل کیا ہے نیز جو دیگر نقاد و حفاظ محدثین سے بھی منقول ہے کہ یہ سند اور متن صحیح نہیں ہے لہٰذا برادران احناف پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے تعصب اور تعسف کو ترک کر دیں اور نماز کے ان چاروں مقامات میں رفع الیدین کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی اس ضعیف حدیث کو ان صحیح احادیث پر ترجیح نہ دیں، جو لفظی و معنوی تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ امام احمد کی ''کتاب العلل'' فقرہ نمبر ۸۱۲۔ ۱/۳۷۵ میں ہے کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ راوی ہیں کہ میں نے اپنے والد کے سامنے حدیث ثوری عن حصین عن ابراہیم، عن عبداللہ...... الخ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا:

حدثنا هشيم قال حدثنا حصين عن ابراهيم، وهوا النخعي۔
(ابراہیم نے اسے جائز قرار نہیں دیا اور ہشیم حدیث حصین کے بارے میں زیادہ جانتا ہے)

اس سے ہمیں پورے وثوق کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ روایت ثوری جو بطریق حصین بن عبدالرحمٰن سلمی کوفی ہے اور جسے اس نے ابراہیم نخعی کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے، شاذ ہے اور اس کے مقابلہ میں وہ روایت صحیح ہے، جسے حضرت الامام احمدؒ نے اپنے استاذ ہشیم بن بشیر سے، انہوں نے حصین سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ قول کا مقصد بھی یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کی روایت مقطوع ہے اور ہشیم جو اپنے شیخ حصین

بن عبدالرحمٰن سلمی کوفی سے روایت کرتا ہے، وہ اسے صرف ابراہیم نخعی سے روایت کرتا ہے یعنی وہ اس کی سند کو حضرت ابن مسعود تک نہیں پہنچاتا اور ہشیم حدیث حصین کو سفیان ثوری کی نسبت زیادہ بہتر جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت، جسے امام ابوداوُدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور دیگر ائمہ نے بیان کیا ہے اور جس کے بارے میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، اسے عبداللہ بن امام احمدؒ نے ''العلل ومعرفۃ الرجال'' ۱۴۷ص ۳۷۰/۱ میں اس طرح بیان کیا ہے:

حدثني ابي قال: حدثنا يحيى بن آدم قال : أملاه على عبدالله بن ادريس من كتابه عن عاصم بن كليب، عن عبدالرحمن بن الأسود، قال: حدثنا علقمة، عن عبدالله قال: علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة، فكبر و رفع يديه ، ثم ركع و طبق يديه و جعلها بين ركبتيه فبلغ سعدًا فقال صدق أخي، قدكنا نفعل ذلك ، ثم أمرنا بهذا و أخذ بركبتيه"

اس حدیث کو ائمہ ستہ نے بھی قریباً انہی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے، جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ انہی الفاظ کے ساتھ اس روایت کو امام نسائی نے ''صغریٰ'' ۲/۱۸۴، امام ابوداوٗد نے ۱۹۹/۱ میں اور ان کی سند کے ساتھ بیہقی نے ۲/۷۸ میں اور ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' ۲۴۶/۱ میں بیان کیا ہے جیسا کہ ''العلل ومعرفۃ الرجال'' کے محقق نے ذکر کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ امام ابوداوٗدؒ نے بھی سنن میں اس طرف اشارہ کیا ہے لہٰذا اب کسی کے لئے مجال نہیں کہ ترمذی کی مذکورہ بالا روایت کو صحیح قرار دے جب کہ حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ابوداوٗد، علامہ خطابی اور بہت سے دیگر محدثین اس کو ضعیف قرار دے چکے ہیں۔ اگرچہ علامہ زیلعی نے نصب

الرایۃ ۳۹۱۔۳۹۶/ا میں اسے صحیح قرار دینے کی بے حد کوشش کی ہے لیکن یہ سب کچھ بے سود اور بہت دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے، انہوں نے اس حدیث کی ایک اور سند بھی بیان کی ہے اور پھر اسے ضعیف بھی قرار دیا ہے، آپ اس بحث کا غور وفکر اور امانت واخلاص کے ساتھ مطالعہ فرمایئے، آپ کو اس موضوع کے بارے میں ان شاءاللہ تعالیٰ شرح صدر حاصل ہو جائے گا۔ ابھی تو بہت سے اور بھی ایسے مراجع ومصادر ہیں جنہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے جو ترک رفع الیدین کی ان دیگر تمام روایات سے بہتر ہے، جن کا برادران احناف نے سہارا لیا ہے لہٰذا کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس رسالہ کو جسے مولانا ٹھٹھوی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ "کشف الرین عن مسئلۃ رفع الیدین" کے نام سے موسوم کرے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدم رفع الیدین کے بارے میں یہ حدیث بہت ضعیف ہے، جسے بعض اصحاب سنن نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اسے صاحب "کشف الرین" نے بھی اسی کیفیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے بارے میں میں نے کافی گفتگو کی ہے۔ مختصر یہ کہ تمام محدثین کے نزدیک اس کی سند معلل اور شاذ ہے جیسا کہ اس موضوع سے متعلق ہماری اس تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔

اگر میں خالص علمی اسلوب وانداز میں اس سند کا تفصیل سے جائزہ پیش کروں تو یہ بحث بیس سے بھی زیادہ صفحات پر پھیل جائے گی لیکن میں اس بحث کو طول دے کر کسی کو اکتاہٹ میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا البتہ یہ ارادہ ضرور ہے کہ مستقبل میں ان شاءاللہ تعالیٰ اس بحث کو مفصل طور پر پیش کروں گا۔

مولانا ٹھٹھوی نے اپنی کتاب کے ص ۳۲ پر لکھا ہے کہ دارقطنی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ثنا أبو عثمان سعيد بن محمد بن محمد بن أحمد

الخياط ، و عبدالوهاب بن عيسىٰ بن أبي حية، قال: نا إسحاق بن أبي إسرائيل، نا محمد بن جابر، عن حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبدالله قال: صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم، و مع أبي بكر، و عمر رضى الله عنهما فلم يرفعوا أيديهما إلا عند التكبيرة الأولىٰ في افتتاح الصلاة"

حدیث ابن مسعودؓ کے بارے میں امام دارقطنیؒ کی رائے

شیخ ٹھٹھوی نے اس حدیث کو "سنن الدارقطنی" سے اس طرح سند کے ساتھ بیان تو کیا ہے مگر اس کے اسناد و متن اور علل وضعف کے بارے میں وہ کلام ذکر نہیں کیا، جو اس کے آخر میں خود امام دارقطنی نے بیان فرمایا ہے۔ امام دارقطنی نے اس حدیث ۲۵ ص ۲۹۵/۱ کے بارے میں لکھا ہے کہ امام اسحاق کا قول ہے کہ ہم اس حدیث پر عمل کرتے لیکن اس کی سند میں محمد بن جابر متفرد ہے اور وہ جب ابراہیم سے حماد کے واسطہ سے روایت کرتا ہے تو ضعیف ہے اور حماد کے علاوہ دیگر راویوں نے اسے ابراہیم سے مرسل روایت کیا ہے نیز اسے عبداللہ بن مسعودؓ کا اپنا فعل قرار دیا ہے، نبی اکرم ﷺ سے اسے مرفوع قرار نہیں دیا اور صحیح بات بھی یہی ہے۔"

اس حدیث کے آخر میں امام دارقطنی نے اس کے بارے میں یہ تبصرہ امام حافظ اسحاق بن راھویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جو امام احمد کے ساتھی اور صحیحین اور بعض اصحاب سنن کے رجال میں سے ہیں۔ محمد بن جابر جو اس روایت کو امام حماد بن ابی سلیمان کوفی المتوفی ۱۲۰ھ شیخ امام ابوحنیفہ رحمھما اللہ تعالیٰ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، ان کے بارے میں امام ابن ابی حاتم اپنی عظیم الشان کتاب "الجرح والتعدیل" ترجمہ ۱۲۱۵ ص ۲۱۹۔۲۲۰/۷ میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن امام احمد بن حنبل نے مجھے لکھا کہ میں نے اپنے والد گرامی سے سنا کہ محمد بن جابر اپنی کتاب میں بعض حدیثیں

اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے، پھر الجرح والتعدیل کے راوی نے کہا ہے کہ ہمیں امام عبدالرحمٰن بنے یہ بھی خبر دی ہے کہ عباس بن محمد الدوری پر یہ پڑھا گیا کہ میں نے امام یحییٰ بن معین سے سنا کہ محمد بن جابر نابینا تھا، احادیث میں اس سے اختلاط ہو گیا تھا، وہ کوفی تھا لیکن یمامہ میں منتقل ہو گیا تھا اور وہ ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن نے محمد بن ابراہیم سے اور انہوں نے عمرو بن علی سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ محمد بن جابر حنفی صدوق لیکن کثیر الوھم ہے۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ اس قول کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ امام یحییٰ بن معین نے محمد بن جابر کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ضعیف ہے اور پھر اگر وہ کثیر الوہم ہے تو پھر محمد بن جابر کے بارے میں امام یحییٰ بن معین کی جرح اور عمرو بن علی الفلاس کے اس قول میں کوئی تناقض نہیں کیونکہ ان دونوں اماموں سے اس کے بارے میں ایسا کلام صادر ہے، جو اس بات پر دلالت کناں ہے کہ محمد بن جابر حنفی یمامی کی حدیث ناقابل استدلال ہے، پھر ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے محمد بن جابر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آخر عمر میں ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں تھیں، حافظہ خراب ہو گیا تھا اور اسے لقمہ دیا جاتا تھا۔ عبدالرحمٰن بن مہدی ان سے روایت کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ یہ منکر روایات بیان کرتے تھے، سماع میں معروف اور جید اللقاء ہیں اور حماد بن ابی سلیمان سے ان کی روایت میں اضطراب ہے۔

محمد بن جابر حنفی یمامی اس سند میں حماد بن ابی سلیمان ہی سے روایت کرتا ہے، پھر ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ امام ابو زرعہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن جابر اہل علم کے نزدیک ساقط الحدیث ہے۔

اہل علم کے ان اقوال کی روشنی میں آپ نے یہ معلوم کر لیا ہوگا کہ محمد بن جابر کی کتابیں ضائع ہونے اور حماد بن ابی سلیمان سے اس کی حدیث میں اضطراب کی وجہ سے اس پر شدید جرح کی گئی ہے لہٰذا مولانا ٹھٹھوی کو یہ بات زیب نہیں دیتی تھی کہ

امام دارقطنی کے تبصرہ کو ذکر کیئے بغیر اس حدیث کو نقل کرتے، اس طرح کسی بھی اہل علم کو نہیں کرنا چاہیئے اور پھر امام دارقطنیؒ کا سنن ص ۲۹۰/۱ میں جو یہ قول ہے کہ حماد کے علاوہ دیگر راویوں نے اسے ابراہیم سے مرسل روایت کیا ہے نیز اسے عبداللہ بن مسعود ؓ کا اپنا فعل قرار دیا ہے، نبی اکرم ﷺ سے اسے مرفوع قرار نہیں دیا اور صحیح بات بھی یہی ہے، اس قول کو حافظ زیلعی نے اپنی اہم کتاب نصب الرایۃ لتخریج احادیث الہدایۃ ۳۹۶۔۳۹۷/۱ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس مرسل روایت کو امام بیہقیؒ نے ''خلافیات'' میں اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے بیان کیا ہے کہ ابن مسعود جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور پہلی مرتبہ رفع الیدین کرتے اور پھر اس کے بعد رفع الیدین نہ کرتے، امام حاکم بھی فرماتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے کہ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ ابراہیم نے تو ابن مسعود ؓ کو دیکھا ہی نہیں لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے، محمد بن جابر کے بارے میں ائمہ حدیث نے کلام کیا ہے اور اس کے بارے میں سب سے اچھی بات جو کہی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ ہر اس شخص کی حدیث کو چرا لیتا تھا جو اس سے مذاکرہ کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی روایات میں مناکیر و موضوعات کی بھرمار ہوگئی۔''

امام بیہقیؒ کے اس کلام کو علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں امام بیہقیؒ کی کتاب ''الخلافیات'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور پھر علامہ زیلعی نے شیخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لیا اور شیخ نے جو یہ کہا ہے کہ وہ علم کا مذاکرہ کرنے والے ہر شخص کی حدیث کو چرا لیتا تھا تو اس کلیہ کے بارے میں علم بہت مشکل ہے اور جو یہ کہا ہے کہ اس کے بارے میں سب سے اچھی بات جو کہی گئی ہے تو وہ یہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اچھی بات وہ ہے، جو ابن عدی نے کہی ہے کہ اسحاق بن ابی اسرائیل محمد بن جابر کو شیوخ کی ایک ایسی جماعت پر ترجیح دیتے تھے جو اس سے افضل اور اوثق تھے اور ائمہ کبار میں سے ایوب، ابن عون، ہشام بن حسان،

ثوری، شعبہ، ابن عیینہ اور دیگر ائمہ نے اس سے روایت کی ہے اور اگر وہ اس مقام و مرتبہ کا نہ ہوتا تو یہ ائمہ اس سے روایت نہ کرتے، جن سے مقام و مرتبہ میں یہ کم ہے اور اس کی بہت سی احادیث میں مخالفت بھی کی گئی ہے، متکلم فیہ ہونے کے باوجود اس کی احادیث کو لکھا جاتا ہے، بہر حال اس کے بارے میں کلام کرے والوں میں امام بخاریؒ بھی ہیں، جنہوں نے فرمایا ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور امام ابن معین نے فرمایا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

علامہ زیلعی نے یہ عبارت امام ابن عدی کی کتاب الکامل ۲۱۶۴۔۲۱۶۳/۶ سے نقل کی ہے لیکن وہ خود شروع ہی میں اس کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ امام یحییٰ بن معین کے حوالہ سے یہ لکھ آئے ہیں کہ محمد بن جابر "لیس بشئی" اور ایوب بن جابر بھی لیس بشئی ہے، پھر امام ابن عدی نے ۲۱۵۸/۶ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم سے جنیدی نے یہ بیان کیا کہ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ محمد بن جابر جب حماد بن ابی سلیمان اور قیس بن طلق سے روایت کرے تو قوی نہیں ہے، ائمہ حدیث نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے پھر انہوں نے صحیح سند کے ساتھ عثمان بن سعید دارمی سے روایت کیا ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ محمد بن جابر یمامی کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا "لیس بشئی" اور عمرو بن علی الفلاس نے کہا ہے کہ محمد بن جابر حنفی یمامی صدوق کثیر الوھم اور متروک الحدیث ہے۔

ائمہ نقاد کی طرف سے محمد بن جابر یمامی کے بارے میں جرح پر مبنی یہ اقوال ہیں لیکن اس کے باوجود علامہ زیلعی نصب الرایۃ ۳۹۸۔۳۹۹/۱ میں لکھتے ہیں کہ ان چاروں مقامات پر رفع الیدین کے قائل حضرات نے حدیث ابن مسعود کے بارے میں بحث ومناظرہ کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ صحیح سند سے ثابت بھی ہو کہ ابن مسعود نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی رفع الیدین کیا تو ممکن ہے کہ دیگر مقامات میں وہ رفع الیدین بھول گئے ہوں، جس طرح تطبیق وغیرہ کے بارے میں وہ بھول

گئے تھے، پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زیلعی نے ایسی گفتگو کی ہے، جسے قطعاً صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ نقل صحیح پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ ان کا محض اجتہاد و استنباط ہے البتہ امام طحاوی کے حوالہ سے انہوں نے یہ بات ضرور نقل کی ہے کہ احناف نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جسے امام دار قطنی نے سنن میں اور امام طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ ہم ابراہیم نخعی کے پاس گئے تو عمرو بن مرہ نے ان سے یہ بیان کیا کہ ہم نے مسجد حضرمیین میں نماز پڑھی، تو مجھ سے علقمہ بن وائل نے اور انہوں نے اپنے باپ سے یہ روایت کیا کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع فرماتے، رکوع کو جاتے اور سجدہ کرتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے، ابراہیم کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ علقمہ کے والد نے صرف اسی دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور رفع الیدین کو یاد رکھا، جسے عبداللہ بن مسعود یاد نہ رکھ سکے اور انہوں نے کہا کہ رفع الیدین صرف افتتاح نماز کے وقت ہے۔

امام دارقطنی نے اس حدیث کو سنن ۱۴۳ص ۲/۲۹۱ میں بیان کیا اور اس حدیث کے آخر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ ''یہ جریر کے الفاظ ہیں۔''

ابراہیم نخعیؒ کا اعتراض

امام ابراہیم نخعی نے عمرو بن مرہ پر جو اعتراض کیا ہے تو یہ اعتراض نا مناسب ہے۔ یاد رہے عمرو سے مراد عمرو بن مرہ بن عبداللہ بن طارق جملی مرادی، ابو عبداللہ کوفی ہیں جو کہ نابینا تھے۔ حافظ نے تقریب ترجمہ نمبر ۷۷۶ ص ۸ ۷/ ۲ میں ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ ثقہ، عابد اور غیر مدلس تھے، ان پر فرقۂ مرجۂ میں سے ہونے کا الزام ہے، طبقہ خامسہ میں سے ہیں۔ ۱۱۸ھ میں یا ایک قول کے مطابق اس کے بعد فوت ہوئے اور یہ اصحاب کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

امام بخاریؒ کی طرف سے جواب

اس اعتراض کا امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے ''جزء

رفع الیدین'' ص ۱۴۳۔۱۴۷ میں جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وکیع نے اعمش سے اور انہوں نے ابراہیم سے جو یہ روایت کیا ہے کہ ان کے سامنے جب وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر کی گئی کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے'' تو انہوں نے کہا کہ شاید آپ نے ایسا ایک بار کیا ہو لیکن اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کا محض ظن ہے کہ شاید آپ نے ایسا ایک بار کیا ہو کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے خود یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کو کئی بار رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے اور وائل کو کسی ظن وگمان کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا مشاہدہ دوسروں کے ظن وگمان سے زیادہ قوی ہے الغرض یہ ہے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علامہ ابراہیم نخعی کے قول کا جواب!

حافظ ابنِ حجر کی تحقیق

حافظ تلخیص ص ۲۲۲/۱ میں محمد بن جابر یمامی کی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسے ابن عدی، دارقطنی اور بیہقی نے از محمد بن جابر از حماد بن ابی سلیمان، از ابراہیم، از علقمہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے اور یہ وہی حدیث ہے، جسے امام ترمذی نے حسن اور امام ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے لیکن حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے، ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے اس حدیث کو غلط قرار دیا ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ان کے استاد یحییٰ بن آدم نے محمد بن جابر کو ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے ان دونوں ائمہ سے نقل کیا اور ان کی تائید کی ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے، امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ نماز مین رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں اہل کوفہ کی یہ سب سے اچھی روایت ہے جو بیان کی گئی ہے حالانکہ یہ

سب سے ضعیف روایت ہے، جس پر انحصار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کئی ایک ایسی علتیں ہیں، جو اس روایت کو باطل قرار دیتی ہیں، ان ائمہ کرام کے ارشادات نقل کرنے کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ ان تمام ائمہ کرام نے عاصم بن کلیب کی سند پر طعن کیا ہے اور جہاں تک محمد بن جابر کی روایت کا تعلق ہے تو اسے تو امام ابن جوزی نے ''موضوعات'' میں ذکر کیا ہے اور امام احمدؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ محمد بن جابر خود ''لاشیئ'' ہے اور اس سے روایت کرنے والا اس سے بھی زیادہ بدتر ہے اور اس کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ میں نے ''المدرج'' میں اس روایت کا حال اس سے بھی زیادہ وضاحت سے لکھا ہے اور اس باب میں ابن عمرؓ سے جو یہ روایت مروی ہے:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه اذا افتتح الصلاة ثم لا يعود۔''

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے اور پھر ایسا نہیں کرتے تھے)

اسے امام بیہقیؒ نے ''الخلافیات'' میں روایت کیا ہے اور یہ ایک مقلوب اور موضوع روایت ہے۔

اس تفصیل سے آپ نے یہ مشاہدہ فرما لیا ہوگا کہ حدیث محمد بن جابر حنفی جسے مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' ص ۳۲ پر ذکر کیا ہے، ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کی سند کے بارے میں آپ نے ائمہ کرام کے ارشادات بھی ملاحظہ فرما لئے ہیں واللہ اعلم۔

طحاوی کی روایت

❁ پھر مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی نے ص ۳۳ پر ذکر کیا ہے کہ علامہ طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

''ثنا ابن أبي داؤد، ثنا نعيم بن حماد، ثنا وكيع، عن

سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن عبدالرحمٰن الاسود، عن علقمة، عن عبداللّٰہ بن مسعود، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنہ کان یرفع یدیہ فی أول تکبیرة ثم لایعود"

یہ بھی درحقیقت وہ پہلی حدیث ہی ہے، جس کی اسناد کے بارے میں ہم ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور دیگر اہل علم کے حوالہ سے گفتگو کر آئے ہیں۔ امام احمد نے "مسند" میں اور امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ" میں اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے، مولانا ٹھٹھوی نے اسے دوبارہ صرف اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ تأثر دیا جاسکے کہ عدم رفع الیدین کے دلائل بہت ہیں۔ واللہ اعلم۔

طحاوی کی دوسری روایت

۴ پھر مولانا ٹھٹھوی نے علامہ طحاوی کی اس سند کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے:

حدثنا محمدبن النعمان، ثنا محمد بن یحییٰ، ثنا وکیع، عن سفیان

اور یہ بھی درحقیقت وہ پہلی حدیث ہی ہے، اسے علامہ طحاوی نے ایک اور استاد سے روایت کیا ہے، جس کی سند وکیع بن جراح کی طرف راجع ہے لہٰذا یہ وہی پہلی حدیث ہے اور بلاشک وشبہ یہ سند بھی ایک ہی شمار ہوگی اور اس اسناد اور متن کے بارے میں ہم ائمہ نقاد کے ارشادات قبل ازیں نقل کر آئے ہیں، اسے ذکر کرکے مولانا ٹھٹھوی نے درحقیقت کسی بھی نئی بات کا اضافہ نہیں کیا۔ واللہ اعلم

طحاوی کی تیسری روایت

۵ پھر مولانا ٹھٹھوی نے "کشف الرین" کے ص ۳۳ پر علامہ طحاوی کے حوالہ سے یہ روایت ذکر کی ہے:

ثنا ابو بکرة، ثنا مؤمل، ثنا سفیان، عن المغیرة، قال:

قلت لإبراهيم: حديث وائل انه رأى النبى صلى الله عليه وسلم يرفع يديه اذا افتتح الصلاة، و اذا ركع ، واذا رفع رأسه من الركوع فقال أى ابراهيم النخعى...... وائل ان كان رأه يفعل ذالك فقد رأه عبدالله خمسين مرة لا يفعل ذلك"

(یعنی مغیرہ سے روایت ہے کہ میں نے ابراہیم نخعی سے کہا کہ حدیث وائل میں ہے انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کو جاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کیا کرتے تھے تو ابراہیم نخعی نے جواب دیا کہ اگر وائل نے ایک بار ایسا دیکھا ہے تو عبداللہ نے پچاس بار دیکھا ہے کہ آپ ایسا نہیں کرتے تھے)

اس حدیث کو مولانا ٹھٹھوی نے ''معانی الآثار'' سے نقل کر دیا ہے اور اس کی اسناد اور متن کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کی۔ گویا آپ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

علامہ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' ص ۱/۳۹۷ میں اسے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ طحاوی نے اس کے بارے میں ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے کہ اگر انہوں نے آپ کو ایک بار رفع الیدین کرتے دیکھا ہے تو انہوں نے پچاس بار نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ سارا کلام ابن جوزی نے ''التحقیق'' میں ذکر کیا ہے، پھر علامہ زیلعی لکھتے ہیں کہ صاحب التنقیح نے کہا ہے کہ فقیہ ابوبکر بن اسحاق فرماتے ہیں کہ یہ علت سماع کے مساوی نہیں ہے کیونکہ رفع الیدین تو صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم ﷺ حضرات خلفاء راشدین اور پھر حضرات صحابہ کرام و تابعین سے ثابت ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اگر اسے بھول گئے ہوں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو

قرآن مجید کی سورتوں یعنی معوذتین کو بھی بھول گئے تھے، جن کے بارے میں کسی بھی مسلمان کا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، نیز وہ تطبیق کو بھول گئے جس کے منسوخ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، وہ بھول گئے کہ مقتدی اگر دو ہوں تو وہ امام کے پیچھے کس طرح کھڑے ہوں، وہ اس بات کو بھی بھول گئے، جس کے بارے میں علماء میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا کہ آنحضرت ﷺ نے قربانی کے دن نماز صبح اپنے وقت ہی پر ادا فرمائی تھی، وہ بھول گئے کہ نبی اکرم ﷺ نے عرفہ میں ظہر وعصر کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا تھا، وہ بھول گئے اور فرماتے تھے کہ حالت سجدہ میں ہتھیلی اور کہنی زمین پر ہونی چاہیے حالانکہ اس مسئلہ میں بھی علماء میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ انہیں (یعنی کہنیوں کو) حالت سجدہ میں زمین سے اٹھا ہوا ہونا چاہئے نیز وہ یہ بھی بھول گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آیت کریمہ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ کو کس طرح پڑھا کرتے تھے، اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نماز سے متعلق ان مسائل کو بھول سکتے ہیں تو وہ رفع الیدین کو کیوں بھول نہیں سکتے؟

علامہ زیلعیؒ نے نصب الرایۃ ۳۹۷۔۴۰۲/۱ میں یہ کلام اسی طرح امام حافظ ابن عبدالھادی تلمیذ رشید شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے اور انہوں نے اسے امام علامہ حافظ مفتی محدث شیخ الاسلام ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب بن یزید نیساپوری شافعی سے نقل کیا ہے جو کہ صبغی کی نسبت سے معروف ہیں اور جن کے بارے میں علامہ سمعانی نے انساب ۵۲۱/ ۵ میں لکھا ہے کہ ان کے شمائل وفضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس مقام پر سما سکیں، ان کی ولادت رجب ۲۵۸ھ اور وفات چوراسی برس کی عمر میں شعبان ۳۴۲ھ میں ہوئی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا حافظ ابوبکر کی نسبت صِبْغِي ...... صِبْغ کی طرف منسوب ہے لیکن مولانا محمد یوسف بنوری نے ''نصب الرایۃ'' ص ۳۹۷/۱ کے اس مقام پر حاشیہ میں آپ کو امام جلیل ضبعی لکھ دیا ہے لیکن اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ غلطی مطبع کی ہے یا

ناسخ کی یا محشی کی؟ علامہ ذھبیؒ نے سیر أعلام النبلاً ترجمہ ۴۲۷ ص ۴۸۳......۴۸۹/ ۱۵ میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں اور آپ کو امام، علامہ، مفتی، محدث اور شیخ الاسلام کے الفاظ سے یاد کرتے ہوئے آپ کے معاصر ثقہ علماً اور شیوخ کبار کے حوالہ سے آپ کی عظمت شان اور قدر ومنزلت پر روشنی ڈالی ہے۔ علامہ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' میں یہ تعلیق امام ابن عبدالھادی المتوفی ۷۴۲ھ کے حوالہ سے نقل کی ہے، جو امام زیلعی سے دس سال پہلے فوت ہوئے تھے۔ علامہ زیلعی، امام ذھبی المتوفی ۷۴۸ھ کے شاگرد ہیں جیسا کہ انہوں نے ''نصب الرایۃ'' کے کئی ایک مقام پر اس کی صراحت کی ہے مثلاً ۲۴/۱ میں ڈاڑھی میں خلال کرنے کی حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کیا اور صحیح الاسناد قرار دیا ہے، عامر بن شقیق کے علاوہ باقی تمام راوی بخاری و مسلم کے ہیں اور عامر کے بارے میں مجھے کسی قسم کا کوئی طعن معلوم نہیں لیکن ہمارے استاد علامہ شمس الدین ذھبی نے ''مختصر'' میں تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عامر بن شقیق کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے الغرض اس طرح علامہ زیلعی نے اپنے شیخ علامہ ذھبی کے شرف و فضل کا خوبصورت انداز سے اعتراف کیا ہے۔ علامہ زیلعی امام حافظ ابو الحجاج المزی صاحب ''تھذیب الکمال'' اور ''تحفۃ الاشراف'' کے بھی شاگرد ہیں۔ (ملاحظہ فرمایئے نصب الرایۃ ص ۲۴۷/۱)۔

یہ ابن عبدالھادی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں، ابن عبدالھادی نے اس کلام کو اپنی کتاب ''التنقیح فی احادیث التعلیق'' میں ذکر کیا ہے، جس کے حوالہ سے علامہ زیلعی نے اسے ''نصب الرایۃ'' میں ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا اور جہاں تک بہت سے امور میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نسیان کا تعلق ہے، تو اسے بھی علامہ زیلعی نے نقل کیا ہے اور یہ بھی ''التنقیح'' ص ۷۸/۲ میں موجود ہے، البتہ مولانا محمد یوسف بنوری نے ''نصب الرایۃ'' ص ۳۹۷۔۴۰۱/۱ کے

حاشیہ میں اس کا جواب دینے کوشش کی ہے حالانکہ علامہ زیلعی نے اسے حافظ ابو بکر بن اسحاق نیسا پوری کے حوالہ سے ذکر کیا اور اس پر خود کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

مولانا تھانوی نے اعلاء السنن ص ۶۹/۳ میں اس کا بہت تفصیل سے رد کیا ہے جیسا کہ ان سے پہلے شیخ ترکمانی نے ''الجوھر النقی'' ص ۸۰۔۸۲/۲ میں اس کا رد کیا تھا تاہم یہ تبصرے یا رد جیسے بھی ہوں، رفع الیدین کی متواتر احادیث کے مقابلہ میں ان کی حیثیت پر کاہ کی بھی نہیں ہے جیسا کہ ان احادیث کو ہم تخریج اور تبصرہ کے ساتھ آگے تفصیل سے بیان کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازے شیخ علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی ثم مکی کو، انہوں نے بھی اپنی نہایت اہم اور نفیس کتاب '' جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین'' میں ان احادیث کو بیان فرمایا ہے، یہ کتاب پہلے پاکستان سے عربی زبان میں ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ بمطابق اگست ۱۹۸۳ء میں طبع ہوئی اور پھر ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۹۸۹ء میں لبنان میں بھی طبع ہوئی، تاہم میں ان شاء اللہ تعالیٰ خالص علمی انداز میں ایک مستقل رسالہ میں مولانا بنوری وتھانوی کی تعلیقات کی تردید کا ارادہ رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ان دونوں علماء کی تعلیقات کا بحث وتحقیق کے میزان میں وزن کروں اور بتاؤں کہ کس کا موقف مبنی برحق وصواب ہے؟ اگر یہ بات واضح ہوگئی کہ مولانا بنوری وتھانوی کا موقف مبنی برحق ہے تو میں علی رؤس الاشھاد واضح طور پر یہ اعلان کر دوں گا کہ میں رفع الیدین کے مسئلہ میں اپنے مؤقف سے رجوع کرتا ہوں کیونکہ حق کی طرف رجوع فضیلت وکرامت ہے اور گمراہی وضلالت سے وابستگی مصیبت وشقاوت ہے!

امام زیلعیؒ نے تو امام ابو بکر بن اسحاق نیسا پوری کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مبنی برحق ہونے کا اعتراف کیا ہے کیونکہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود اس پر کوئی نقد وتبصرہ نہیں کیا بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ امام بخاریؒ اپنی کتاب ''جزء رفع الیدین'' میں

فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی کا یہ کلام ظن پر مبنی ہے کیونکہ وائل بن حجر نے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو اور حضرات صحابہ کرام ؓ کو کئی بار رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے جیسا کہ زائدہ نے بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

"ثنا عاصم ، ثنا أبي، عن وائل بن حجر انه رأى النبي صلى الله عليه وسلم يصلي فرفع يديه في الركوع، و في الرفع منه، قال: ثم أتيتهم بعد ذلك فرأيت الناس في زمان برد، عليهم جل الثياب، تحرك أيديهم من تحت الثياب"

(وائل بن حجرؓ سے روایت ہے، انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ آپ نے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا، وائل بیان کرتے ہیں کہ میں پھر آیا تو میں نے سردی کے موسم میں لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے موٹے کپڑے پہن رکھے تھے اور رفع الیدین کی وجہ سے کپڑوں کے اندر ان کے ہاتھ حرکت کرتے تھے)

علامہ زیلعیؒ نے اس حدیث کو بھی اسی طرح کسی نقد و تبصرہ کے بغیر امام بخاریؒ کی کتاب "جزء رفع الیدین" سے نقل کیا ہے، اس حدیث کو امام احمد نے مسند ۴/۳۱۸، دارمی نے سنن ۱/۲۵۵، ابن الجارود نے منتقی ص ۸۱، امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین ص ۸۲،۸۳ ، نسائی نے سنن ۱۲۶، ۱/۱۲۷، ابن حبان نے صحیح ص ۲۵۲ ج ۳ اور الموارد ص: ۴۸۰، ابن ماجہ نے سنن ۸۶۷ ص ۱/۲۸۱، بیہقی نے سنن کبریٰ ۲/۲۸، بغوی نے شرح السنہ ۵۶۳-۲۶-۲۷-۳ نیز ابوداؤد نے سنن ص ۱۹۳۱ اور ابن خزیمہ نے صحیح ۴۵۷ میں مختصراً زائدہ بن قدامہ کے طریق کے علاوہ ایک اور سند سے باب ۷۷ میں بیان کیا ہے، جس کا عنوان ہے: باب الرخصة في رفع اليدين تحت الثياب في البرد و ترك اخر جهما من الثياب عند رفعهما (سردی میں

کپڑوں کے نیچے ہی رفع الیدین کرنے اور بوقت رفع کپڑوں سے باہر ہاتھ نہ نکالنے کی رخصت کا باب) کتب حدیث کے اور بھی بہت سے مصادر ایسے ہیں، جن میں اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے۔

حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ

امام احمدؒ مسند ۴/۳۱۸ میں فرماتے ہیں:

"ثنا عبدالصمد، ثنا زائدة، ثنا عاصم بن كليب، أخبرني أبي أن وائل بن حجر الحضرمي أخبره قال: قلت: لأ نظرن الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلي؟ قال: فنظرت اليه، قام فكبر، و رفع يديه، حتى حاذ تا أذنيه ثم وضع يده اليمنى على كفه اليسرىٰ والرسغ والساعد، ثم قال: لما أرادأن يركع رفع يديه مثلها و وضع يديه على ركبتيه، ثم رفع رأسه فرفع يديه مثلها ثم سجد، فجعل كفيه بحذاء أذنيه ثم قعد فافترش رجله اليسرىٰ فوضع كفه اليسرىٰ على فخذه وركبته اليسرىٰ ، و جعل حد مرفقيه الأيمن على فخذه اليمنىٰ ، ثم قبض بين أصابعه، فحلق حلقة، ثم رفع إصبعه فرأيته يحركها، يدعوبها، ثم جئت بعد ذلك في زمان فيه برد فرأيت الناس عليهم الثياب تحرك أيديهم من تحت الثياب من البرد"

(وائل بن حجر حضرمی نے بیان کیا ہے کہ میں نے کہا کہ میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے ہیں؟ میں

نے آپ کی طرف دیکھا، آپ نے کھڑے ہو کر تکبیر کہی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا حتیٰ کہ وہ آپ کے دونوں کانوں کے برابر تھے، پھر آپ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی، کلائی اور بازو پر رکھا...... پھر یہ کہا کہ جب آپ نے رکوع کرنے کا ارادہ فرمایا تو پھر اسی طرح دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ دیا، پھر سر کو اٹھایا اور پھر اسی طرح اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، پھر آپ نے سجدہ کیا اور دونوں ہتھیلیوں کو دونوں کانوں کے برابر کیا پھر آپ بیٹھ گئے اور بائیں پاؤں کو پھیلا دیا اور بائیں ہتھیلی کو اپنی بائیں ران اور بائیں گھٹنے پر رکھ لیا اور دائیں کہنی کے کنارے کو دائیں ران پر رکھ لیا اور اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بند کر لیا اور ایک حلقہ سا بنا لیا، پھر انگشتِ شہادت کو اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ آپ اسے حرکت دے رہے تھے اور اس کے ساتھ دعاء کر رہے تھے، پھر کچھ عرصہ بعد میں سردی کے موسم میں آیا، تو میں نے دیکھا کہ لوگوں نے کپڑے اوڑھے ہوئے ہیں اور سردی کی وجہ سے ان کے ہاتھ کپڑوں کے نیچے حرکت کر رہے ہیں)

یہ ہے وہ حدیث جس کا ابراہیم نخعی نے انکار کیا اور جیسا کہ ''شرح معانی الآثار'' میں انہوں نے عمرو بن مرہ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اگر وائل نے ایک بار دیکھا ہے کہ آپ نے رفع الیدین کیا تھا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاس بار دیکھا ہے کہ آپ نے رفع الیدین نہیں کیا تھا، ابراہیم نخعی کے ان الفاظ کو صرف علامہ طحاوی نے ہی بیان کیا ہے جیسا کہ ''نصب الرایۃ'' ۳۹۷/۱ میں ہے، جب کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے قطعاً کسی صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ مروی نہیں ہیں کہ انہوں

نے پچاس بار تکبیر اولیٰ میں رسول اللہ ﷺ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے بلکہ یہ الفاظ تو علامہ ابراہیم نخعی کے ہیں، جنہوں نے نہ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے اور نہ ان کے پاس اس سلسلہ میں کوئی صحیح سند ہی ہے۔

اس روایت کو علامہ طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' ۲۲۴۔۲۲۵/۱ میں حسب ذیل سند اور متن کے ساتھ بیان کیا ہے:

حدثنا احمد بن داوٗد، قال: ثنا مسدد قال: ثنا خالد بن عبداللّٰہ قال: ثنا حصین، عن عمرو ابن مرة قال: دخلت مسجد حضرموت فاذا علقمة بن وائل یحدث عن ابیه، أن رسول اللّٰه ﷺ کان یرفع یدیه قبل الرکوع و بعد ہ، فذکرت ذلك لإبراهیم فغضب وقال: رأہ ھو، و لم یرہ ابن مسعود رضی اللّٰه عنه ولا اصحابه؟

(عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ میں مسجد حضرموت میں داخل ہوا تو وہاں علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر کے حوالہ سے یہ حدیث بیان کرر ہے تھے کہ رسول ﷺ رکوع سے پہلے بھی اور رکوع کے بعد بھی رفع الیدین فرمایا کرتے تھے، میں نے ابراہیم سے اس کا ذکر کیا تو وہ ناراض ہوئے اور انہوں نے کہا کہ وائل نے اسے دیکھا تو کیا ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اسے نہیں دیکھا تھا؟)

رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں

مگر میں کہتا ہوں کہ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ ناراضی قطعاً بے جا تھی کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''جزء رفع الیدین'' میں ذکر فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رفع الیدین بدعت ہے، وہ درحقیقت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرتا

ہے کیونکہ کسی بھی ایک صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کا یہ قول حافظ نے فتح ۲/۲۲۰ میں ذکر کرنے کے بعد آپ کا یہ قول بھی لکھا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث کی اسانید دیگر تمام احادیث کی اسانید سے زیادہ صحیح ہیں۔

امام بخاریؒ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث سترہ صحابہ سے مروی ہیں، امام حاکم اور ابو القاسم بن مندہ نے ذکر کیا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث روایت کرنے والے صحابہ میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور ہمارے شیخ ابوالفضل حافظ نے شمار کیا تو رفع الیدین کی احادیث روایت کرنے والے حضرات صحابہ کرام ﷢ کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔

اس طرح حافظ نے ''فتح'' میں حضرت الامام بخاریؒ اور دیگر ائمہ حدیث سے یہ نقل فرمایا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث تواتر سے ثابت ہیں، جب کہ رفع الیدین نہ کرنے کی روایات ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہیں اور کسی ایک بھی صحابی سے صحیح سند سے رفع الیدین نہ کرنے کی کوئی مرفوع یا موقوف روایت ثابت نہیں ہے لہٰذا امام ابوجعفر طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے اپنی کتاب ''شرح معانی الآ ثار'' ص ۲۲۴۔۲۲۸/۱ میں جو کچھ لکھا ہے، یہ سب غلط ہے کیونکہ میں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے مروی ان موقوف روایات کا جائزہ لیا ہے، تو یہ سب معلول ہیں اور ان میں نہایت ظاہر، واضح اور بیّن علتیں موجود ہیں اور جب میں ان تمام علتوں کو ایک مستقل رسالہ میں ان جلیل القدر ائمہ نقاد کے صحیح ترین حوالہ جات کی روشنی میں نہایت شافی وکافی انداز مین بیان کروں گا، جو امام طحاوی سے مقدم ہیں، تو ہر منصف مزاج انسان کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ انہیں تسلیم کیے بغیر چارہ کار ہی نہیں ہوگا۔ یہ جلیل القدر ائمہ نقاد وہ ہیں جو علم، فقاہت اور روایت ودرایت کے اعتبار سے نہایت بلند مقام پر فائز تھے اور انہیں ان موقوف روایات کی علتوں اور شذوذ کا پورا پورا علم تھا جیسا کہ نہایت تفصیل

اور شرح وبسط کے ساتھ اسے ہم ان شآءاللہ تعالیٰ آگے بیان کریں گے۔

❶ اس کے بعد مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ ''کشف الرین'' کے ص ۳۴ پر یہ حدیث ذکر کی ہے:

"حدثنا أحمد بن أبي داوٗد، ثنا خالد بن عبدالله، ثنا حصين، عن عمرو بن مرة قال: دخلت مسجد حضرموت، فاذا علقمة بن وائل يحدث عن أبيه،أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه قبل الركوع و بعده فذكرت ذلك لابراهيم فغضب وقال: رأه هو و لم يره ابن مسعود ولا أصحابه؟

یہ حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اس کا میں جواب بھی لکھ چکا ہوں اور اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک وائل بن حجر کیا ایسے صحابہ کرام ﷺ کی تعداد تو پچاس ہے، جنہوں نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ رفع الیدین کیا کرتے تھے جیسا کہ حافظ نے ''فتح'' ۲۲۰/۲ میں اپنے شیخ ابوالفضل حافظ کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔ یاد رہے ان سے مراد امام عبدالرحیم بن حسین بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن ابراھیم الزین ابو الفضل ہیں۔ حافظ سخاوی نے ان کے حالات ''الضوٗ اللامع'' ترجمہ نمبر ۴۰۷ ص ۱۷۱۔۱۷۸/۴ میں ذکر کیے ہیں، لہٰذا امام نخعی کے اس قول کا کوئی اثر نہیں۔ امام نخعی کے حالات کو امام ذہبی نے ''میزان'' ترجمہ نمبر ۲۰۲ ص ۷۴۔۷۵/۱ میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مشہور علماء میں سے ایک ہیں اور ایک جماعت سے مرسل روایات بیان کرتے ہیں، انہوں نے زید بن ارقم کو دیکھا تو تھا لیکن کسی بھی ایک صحابی سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، ان کے بارے میں امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہی ہیں، جو مسروق کے حوالہ سے روایات بیان کرتے

ہیں حالانکہ انہوں نے ان سے ایک روایت بھی نہیں سنی، پھر امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ بہر حال طے شدہ بات یہ ہے کہ ابراھیم حجت تو ہیں لیکن جب وہ ابن مسعودؓ یا کسی دوسرے صحابی سے مرسل روایت بیان کریں، تو پھر وہ حجت نہیں ہیں''۔

امام نخعی امام کبیر اور ثقہ ہیں لیکن جب وہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں، تو وہ مرسِل ہیں یعنی انہوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے خود نہیں سنا ہوتا لہذا عمرو بن مرہ کے جواب میں ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ عمرو بن مرۃ بن عبداللہ بن طارق الجملی کے بارے میں حافظ تقریب ۲/۷۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ ثقہ اور عابد تھے، تدلیس نہیں کرتے تھے، ۱۱۸ھ میں فوت ہوئے اور یہ کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کی روایت

❀ پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۳۴ پر لکھا ہے کہ اصحاب مسانید امام ابوحنیفہ نے آپ سے یہ روایت بیان کی ہے:

" قال ابو حنيفة ثنا حماد، عن ابراهيم، عن علقمة والأسود، عن عبدالله بن مسعود ﷺ، أن النبى ﷺ كان لا يرفع الا عند افتتاح الصلاة ثم لا يعود شيئاً من ذلك"

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ صرف نماز کے شروع میں رفع الیدین کرتے تھے اور پھر بالکل نہیں کرتے تھے)

''اس حدیث کو دیگر محدثین نے بھی اپنی تصانیف و مسانید میں روایت کیا ہے''۔

میری اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ سب سے پہلے یہ از بس ضروری ہے کہ یہ ثابت کیا جائے کہ ان راویوں کی امام ابوحنیفہ تک سند صحیح ہے، جنہوں نے آپ سے

مسانید کو روایت کیا ہے اور بالفرض اگر یہ اسانید صحیح ثابت بھی ہو جائیں، جن سے مسانید امام ابو حنیفہ مروی ہیں، تو پھر بھی یہ رفع الیدین کے نسخ یا اسقاط کے بارے میں حجت نہیں ہوں گی کیونکہ اس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

① پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف سندوں سے رفع الیدین کی احادیث مروی ہیں جیسا کہ حافظ نے ''فتح'' ۲/۲۲۰ میں ذکر فرمایا ہے۔

② عدم رفع الیدین کی تمام روایات معلول ہیں اور وہ کسی بھی ایک صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہیں، ان میں سب سے اچھی روایت وہ ہے، جسے عاصم بن کلیب نے عبدالرحمان بن اسود سے، انہوں نے علقمہ سے اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس روایت کے بارے میں ہم جلیل القدر اور عظیم المرتبت ائمہ کرام جن میں امام بخاری، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابو حاتم، ابن مبارک، دارقطنی اور دیگر بے شمار محدثین سرفہرست ہیں، کے حوالہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ یہ روایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے، اسی طرح دیگر وہ تمام روایات بھی، جنہیں مولانا ٹھٹھوی نے بیان فرمایا ہے واضح طور پر ضعیف اور منکر ہیں جیسا کہ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل بیان کی جا چکی ہے اور کچھ آگے بیان کی جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابن مبارکؒ کا مناظرہ

③ اس موضوع پر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام حافظ عبداللہ بن مبارکؒ کے درمیان وہ مناظرہ بھی ہوا تھا، جسے امام ابن قتیبہ دینوریؒ نے اپنی کتاب ''تأویل مختلف الحدیث'' ص ۵۴ میں بیان کیا ہے کہ ہم سے امام اسحاق بن راھویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے وکیع نے یہ بیان کیا کہ امام ابو حنیفہؒ نے کہا کہ کیا بات ہے وہ ہر رفع و خفض کے موقع پر ہاتھ اٹھاتے ہیں کیا وہ اڑنا چاہتے ہیں''؟

اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کہا کہ اگر وہ نماز شروع کرتے وقت اڑنا چاہتے تھے، تو وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی اڑنا چاہتے ہیں۔"

یہ مناظرہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن امام احمدؒ نے "کتاب السنۃ" ص ۶۸ میں اس طرح بیان کیا ہے:

حدثنا ابوالحسين العطار ابوالحسين محمد بن محمد، سمعت أحمد يعني ابن شبويه سمعت وكيعا يقول: قال ابو حنيفة لابن المبارك: ترفع يديك فى تكبيرة ؟ كأنك تريد ان تطير؟ فقال له ابن المبارك: وإن كنت انت تطير فى الأولى فإنى أطيرفيما سواها، قال وكيع: أجادما أجابه ابن المبارك مرة أومرّتين-

(امام ابوحنیفہؒ نے امام ابن مبارکؒ سے کہا کہ آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے ہیں، گویا آپ اڑنا چاہتے ہیں؟ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اس کا یہ جواب دیا کہ اگر پہلی تکبیر کے وقت آپ اڑنا چاہتے تھے تو میں دیگر تکبیروں کے وقت بھی اڑنا چاہتا ہوں۔ امام وکیع نے اس پر ایک یا دو بار فرمایا کہ ابن مبارک نے بہت خوب جواب دیا۔"

اس مناظرہ کی سند میں امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن امام احمد کے شیخ محمد بن محمد بن عمر بن حکم ابوالحسن ہیں، جو ابن العطار کے نام سے معروف ہیں، علامہ خطیب نے "تاریخ بغداد" ترجمہ نمبر ۱۲۴۸ ص ۲۰۳۔۲۰۴/۳ میں ان کے بعض شیوخ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ انہوں نے مسلم بن ابراھیم اور ابوالولید طیالسی سے سنا............

اور احمد بن شبویہ مروزی اور کئی دیگر سے روایت کیا اور ان سے عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ نے روایت کیا ہے اور پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ ابو العباس بن سعید سے روایت کیا ہے کہ میں نے ان کے بارے میں امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبل سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ثقہ اور امین ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی نے ذکر کیا ہے کہ ان کی وفات ۴ صفر ۲۶۸ھ کو اچانک ہوئی تھی، ان کے پاس سنید بن داؤد کی تفسیر کی اور احمد بن شبویہ کی ابن مبارک سے مرویات حدیث کی کتاب تھی۔ گویا جیسا کہ علامہ خطیب بغدادیؒ نے ذکر کیا ہے یہ ثقہ اور امین راوی ہیں۔

❁ احمد بن شبویہ، شیخ ابن العطار بھی ثقہ ہیں، امام ابن ابی حاتم نے ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ نمبر ۷۱ ص ۵۵/ ۱ میں لکھا ہے کہ احمد بن شبویہ مروزی ابو الحسن خزائی نے وکیع، عبدالرزاق اور ابو اسامہ سے روایت کیا ہے، ۲۳۰ھ میں طرطوس میں فوت ہوئے تھے، اسی طرح امام ابن حبان نے ''الثقات'' ص ۱۳/ ۸ میں ذکر کیا ہے کہ احمد بن شبویہ مروزی خزاعی، مولیٰ بدیل بن ورقاؑ اہل مرو میں سے ہیں، آپ کی کنیت ابو الحسن ہے، فضل بن موسیٰ شیبانی اور اپنے شہر کے دیگر ائمہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس روایت کو امام ابن حبانؒ نے ''الثقات'' میں احمد بن ولید کرخی کے حالات میں ص ۴۵/ ۸ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو رفع الیدین کرتا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ اڑنا چاہتا ہے تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر وہ دوسری تکبیر کے موقعہ پر اڑنا چاہتا ہے تو پہلی تکبیر پر تو آپ بھی اڑنا چاہتے ہیں''۔

یہ امام وکیع سے ایک دوسری سند ہے اور یہ سند بھی ان شاء اللہ تعالیٰ صحیح لغیرہ ہے۔

اس واقعہ کو امام بیہقیؒ نے بھی ''السنن الکبریٰ'' ۸۲/ ۲ میں اس طرح بیان کیا ہے:

أخبرنا ابوعبدالله الحافظ.......... ثنا وكيع قال:

صليت في مسجد الكوفة، فاذاأبو حنيفة قائم يصلي وابن المبارك إلى جنبه يصلى، فاذا عبدالله يرفع يديه كلما ركع و كلما رفع، وأبو حنيفة لا يرفع، فلما فرغوا من الصلاة، قال أبو حنيفة لعبدالله : يا ابا عبدالرحمن: رأيتك تكثر رفع اليدين، أردت أن تطير؟ فقال عبدالله: يا أبا حنيفة، قدرأيتك ترفع يديك حين افتتحت الصلاة، فأردت أن تطير؟ فسكت أبوحنيفة قال وكيع: فما رأيت أحضرمن جواب عبدالله لأبي حنيفة"

وکیع نے بیان کیا کہ میں نے مسجد کوفہ میں نماز پڑھی، اس وقت امام ابوحنیفہؒ بھی نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے پاس ہی امام ابن مبارکؒ بھی نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے اور امام ابوحنیفہؒ رفع الیدین نہیں کرتے تھے، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ سے کہا اے ابا عبدالرحمٰن! میں نے دیکھا کہ آپ رفع الیدین کثرت سے کرتے تھے، کیا آپ کا اڑنے کا ارادہ تھا؟ تو عبداللہؒ نے جواب دیا اے ابوحنیفہؒ! میں نے دیکھا کہ نماز شروع کرتے وقت تو آپ نے بھی رفع الیدین کیا تھا کیا آپ کا بھی اس وقت اڑنے کا اراد تھا؟ امام ابوحنیفہؒ یہ سن کر چپ ہو گئے، امام وکیعؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے بڑھ کر کوئی حاضر جواب نہیں دیکھا)

یہ ہے وہ علمی مناظرہ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارکؒ کے

درمیان ہوا تھا، اسی مناظرہ کو کچھ دوسرے الفاظ میں علامہ خطیبؒ نے ''تاریخ بغداد'' میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں اس طرح بھی بیان کیا ہے:

أخبرنا الخلال، حدثنا عبداللّٰه بن عثمان الصفار، حدثنا محمد بن مخلد الدوري، حدثنا العباس بن محمد بن ابراهيم بن شماس قال: سمعت وكيعا يقول: سأل ابن المبارك ابا حنيفة عن رفع اليدين في الركوع؟ فقال أبوحنيفة: يريد أن يطير فيرفع يديه قال وكيع: كان ابن المبارك رجلًا عاقلًا فقال ابن المبارك: ان كان طار في الأولىٰ فإنه يطير في الثانية، فسكت أبوحنيفة و لم يقل شيئًا"

(امام وکیعؒ بیان کرتے ہیں کہ امام ابن مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے رکوع میں رفع الیدین کے بارے میں پوچھا تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کیا وہ اڑنا چاہتا ہے، جس کے لئے وہ رفع الیدین کرتا ہے، امام وکیع بیان کرتے ہیں کہ، امام ابن مبارک بہت عقل مند آدمی تھے، انہوں نے فوراً جواب دیا کہ اگر وہ پہلی دفعہ رفع الیدین کرتے ہوئے اڑا ہے تو دوسری مرتبہ بھی اڑ جائے گا۔ یہ جواب سن کر امام ابوحنیفہؒ خاموش ہوگئے اور انہوں نے کوئی بات نہ کی)

اس مناظرہ سے متعلق ان اسانید و متون کو علامہ شیخ ابومحمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھیؒ نے اپنی کتاب ''جلاء العینین'' ص۱۲۴۔۱۲۵ میں اسی طرح ذکر کیا ہے نیز اس واقعہ کو امام حافظ شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ''جزء رفع الیدین'' میں معلقاً اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ابن مبارکؒ

فرماتے ہیں کہ میں امام نعمان بن ثابتؒ کے پاس نماز پڑھ رہا تھا، میں نے رفع الیدین کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ اڑ نہ جائیں تو میں نے کہا کہ اگر میں پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے نہیں اڑا تو دوسری تکبیر کے وقت بھی نہیں اڑوں گا۔ امام وکیعؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ بڑے حاضر جواب تھے ان کا یہ جواب سن کر امام ابوحنیفہؒ حیران رہ گئے۔"

یہ واقعہ حافظ ابن عبدالبر نے بھی "التمہید" ۶۶/۵ میں بیان فرمایا ہے جیسا کہ شیخ ابومحمد بدیع الدین شاہؒ نے لکھا ہے لیکن یاد رہے کہ ان دو عظیم المرتبت اماموں کے درمیان اس مناظرہ یا مکالمہ کے یہ معنی نہیں کہ اس سے امام ابوحنیفہ کی شان میں کمی لازم آتی ہے۔

④ رفع الیدین کے معنی

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نماز کے ان مقامات نیز نماز عیدین، نماز استسقاء، نماز جنازہ اور دیگر مواقع پر رفع الیدین کے معنی یہ ہیں کہ اس مبارک عمل کے ذریعہ ہم اپنے رب تعالیٰ کی تعظیم، اس کی بزرگی اور اس کی ثنا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے "سنن کبریٰ" ۸۲/۲ میں اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ...... "میں نے حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا کہ رکوع کے وقت رفع الیدین کے کیا معنی ہیں؟ تو انہوں فرمایا کہ اس کے وہی معنی ہیں جو تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا اور آنحضور ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا مقصود ہے اور اس عمل پر اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید بھی ہے، یہ اسی طرح ہے جس طرح صفا و مروہ اور دیگر مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے۔"

امام بیہقیؒ نے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ تک جو سند بیان فرمائی ہے یہ حد درجہ صحیح سند ہے لہٰذا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے رفع الیدین کے جو یہ معنی مروی

ہیں، تو یہ ہمیشہ پیشِ نظر رہنے چاہئیں۔

۸ پھر مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ "کشف الرین" کے ص ۳۵ پر یہ لکھا ہے کہ "حدیث ابن مسعود ﷜ کی بعض سندیں جید، صحیح اور بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں، بعض حسن ہیں اور حدیث حسن بھی قابلِ استدلال ہوتی ہے۔"

میں عرض کرتا ہوں کہ امر واقع اس طرح نہیں، جس طرح مولانا مرحوم نے بیان کیا ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی اور پھر سوال یہ ہے کہ ان سندوں کے صحیح یا حسن ہونے کا حکم کس نے لگایا ہے؟ بالفرض متقدمین یا متأخرین میں سے اگر کسی نے ان اسانید کو صحیح یا حسن قرار دے بھی دیا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مولانا ٹھٹھوی کو ان روایات میں موجود علل اور شذوذ کا علم نہیں ہے اور جسے علم ہو وہ اس پر حجت ہوتا ہے جسے علم نہ ہو، یہ جلیل القدر محدثین عظام ان علل وشذوذ سے خوب آگاہ ہیں، جو صحت وضعف کے درمیان حائل ہیں لہٰذا ان محدثین عظام کا کلام حجت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حدیث ابن مسعود ﷜ کے بارے میں امام ابن حزمؒ کی رائے

۹ پھر مولانا ٹھٹھوی نے لکھا ہے کہ "بعض اسانید کے پیش نظر حدیث ابن مسعود ﷜ کو حافظ ابن حزمؒ، دار قطنیؒ اور ابن قطانؒ وغیرھم نے صحیح قرار دیا ہے اور حافظ نے علامہ زیلعی کی تخریج ہدایۃ کی "تلخیص" میں ان حضرات سے اتفاق کیا ہے۔"

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث ابن مسعود ﷜ کو صحیح قرار دیتے ہوئے المحلی ۳/۲۳۵ میں لکھا ہے:

حدثنا همام.......... عن علقمة، عن عبدالله بن مسعود قال: ألا أريكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

فرفع يديه في أول تكبيرة ثم لم يعد ثم قال: فلما صح أنه عليه السلام كان يرفع في كل خفض و رفع بعد تكبيرة الإحرام ولا يرفع كان كل ذلك مباحاً لا فرضاً، و كان لنا ان نصلي كذلك،فإن رفعنا صلينا كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي و ان لم نرفع فقد صلينا كما كان عليه الصلاة والسلام يصلي۔

(حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ دکھاؤں؟ انھوں نے پہلی تکبیر کے وقت تو ہاتھوں کو اٹھایا لیکن بعد میں نہ اٹھایا...... پھر امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ صحیح ہے آنحضور ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد ہر خفض ورفع میں رفع الیدین کرتے بھی تھے اور نہیں بھی کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ یہ مباح ہے، فرض نہیں ہے، ہم بھی اسی طرح نماز پڑھ سکتے ہیں لہٰذا اگر ہم رفع الیدین کریں تو ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے اور اگر ہم رفع الیدین نہ کریں تو پھر بھی ہم نے اسی طرح نماز پڑھی جس طرح آنحضور ﷺ پڑھتے تھے"۔

امام ابن حزمؒ نے اس حدیث کو اس طرح سند و متن کے ساتھ ذکر کر کے اس پر یہ تبصرہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حزمؒ کو اس حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس علت کے بارے میں علم نہیں ہو سکا، جس کی وجہ سے اسے ہرگز صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا اور اس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

1 امام ابن حزم رحمہ اللہ کا زمانہ امام ابوداؤد سے بعد کا ہے، جنھوں نے اس

حدیث کو سنن ص ۲۷۲/۱ میں بیان کیا اور پھر اس حدیث کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ یہ ایک طویل حدیث سے مختصر کی گئی ہے اور یہ ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے، امام بخاریؒ نے بھی رفع الیدین میں اسی طرح فرمایا ہے، امام ترمذیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مبارکؒ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ موقوف روایت ثابت نہیں ہے، امام ابوحاتم نے بھی ''العلل'' میں اسی طرح فرمایا ہے نیز امام احمد بن حنبل نے بھی علل ومعرفت رجال میں اسے معلّل قرار دیا ہے جیسا کہ یہ ساری تفصیل قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔

امام ابن حزمؒ کا رجوع

✿ امام ابن حزمؒ نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرنے کے بعد یہ روایت ذکر کی ہے:

''ورويـنـا من طريق عبدالرزاق، حدثني أحمد بن حنبل، عن الوليد بن مسلم، عن زيد بن واقد، سمعت نافعا مولى ابن عمر يقول: كان ابن عمر اذا رأى مصليا لا يرفع يديه في الصلاة حصبه. أي رماه بالحصىٰ وأمره أن يرفع يديه''

(زید بن واقد سے روایت ہے کہ میں نے نافع مولیٰ ابن عمر سے یہ سنا کہ حضرت ابن عمر اگر کسی نمازی کو دیکھتے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے رفع الیدین نہیں کر رہا تو آپ اسے کنکری مارتے اور حکم دیتے کہ رفع الیدین کرو۔'' اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ ''ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی ایسی چیز کے ترک کرنے پر تو کنکری نہیں مار سکتے تھے جسے ترک کرنا جائز ہوتا۔''

اس طرح امام ابن حزمؒ نے روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح قرار دینے کے اپنے قول سے رجوع فرمایا ہے کیونکہ اس روایت کے بعد انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے کہ جو شخص رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کرتا تو آپ اسے کنکری مارا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو امام بخاریؒ نے بھی "جزء رفع الیدین" ص ۵۴ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ

"حدثنا الحميدى، أنبأنا الوليد بن مسلم قال: سمعت زيد بن واقد يحدث عن نافع، أن ابن عمر رضى الله عنهما كان اذا رأى رجلاً لايرفع يديه اذا ركع و اذا رفع رماه بالحصیٰ"

(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کرتا تو آپ اسے کنکری مارتے)

اس سند میں ولید بن مسلم نے یہ صراحت کی ہے کہ انہوں نے اس روایت کو زید بن واقد سے باقاعدہ سنا ہے لہٰذا تدلیس کا شبہہ بھی ختم ہو گیا۔ شیخ بدیع الدینؒ حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام حمیدی نے اسی سند کے ساتھ "مسند" ۲/۲۷۷ میں، ابن عبدالبر نے "التمہید" ۵/۶۵ میں، عبداللہ بن امام احمد نے "مسائل" ص ۷۰ میں، دار قطنی نے "سنن" ۱/۲۸۹ میں، حاکم نے "معرفت علوم الحدیث" ص ۲۱۸ میں، سہمی نے "تاریخ جرجان" ص ۴۳۳ میں اور ابن جوزی نے "مناقب امام احمد" ص ۸۳ میں امام عبدالرزاق تک اپنی سند سے اور ص ۸۸ میں امام احمد تک

اپنی سند سے بیان فرمایا ہے۔

ان تمام محدثین نے بھی ولید بن مسلم کے اپنے شیخ زید بن واقد سے سماع کی صراحت کی ہے۔ مولانا ٹھٹھوی نے جو یہ لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام دارقطنی اور ابن القطان وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے...... الخ

ان ائمہ کرام کی طرف یہ انتساب بہت عجیب وغریب ہے کیونکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے جیسا کہ آپ ان شاء اللہ اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔ مولانا ٹھٹھوی پر بہت تعجب ہے کہ وہ جن احادیث سے عدم رفع الیدین پر استدلال کرتے اور پھر انہیں صحیح بھی قرار دیتے ہیں، تو اس سلسلہ میں معروف اور قابل اعتماد مصادر وماخذ کا کوئی حوالہ نہیں دیتے بلکہ انہوں نے ان تمام احادیث کو کسی حوالہ کے بغیر ہی ذکر کیا ہے۔

امام دارقطنی نے سنن ص ۲۹۳/۱ میں اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔

"حدثنا أبو سعيد محمد بن ابراهيم بن مشكان المروزى، نا عبدالله بن محمود، ثنا عبدالكريم بن عبدالله، عن وهب بن زمعة،عن سفيان بن عبدالملك، عن عبدالله بن المبارك قال: لم يثبت عندى حديث ابن مسعودؓ رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رفع يديه أول مرة ثم لم يرفع، وقد ثبت عندى حديث من يرفع يديه اذا ركع و اذا رفع.........."

(حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ابن مسعودؓ کی یہ حدیث ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے اور پھر نہیں اٹھاتے تھے بلکہ

میرے نزدیک اس شخص کی حدیث ثابت ہے، جو رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع الیدین کرتا ہے..........

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے عبید اللہ عمریؒ، مالکؒ، معمرؒ، سفیانؒ، یونسؒ، محمد بن ابی حفصہؒ نے امام زہریؒ سے انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اسے نبی ﷺ سے ذکر فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام دار قطنی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تک اپنی سند بیان کر کے اس کے خلاف ثابت کیا ہے، جو مولانا ٹھٹھوی نے لکھا ہے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ ہی کے کلام پر اعتماد کیا ہے جبکہ سلف و خلف میں سے محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت سے بھی یہ ثابت ہے کہ مولانا ٹھٹھوی کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔

حافظ نے تلخیص ۲۲۲/۱ میں امام دار قطنی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ابن مسعود ؓ ثابت نہیں ہے پھر حافظ فرماتے ہیں کہ امام ابن حبان نے الصلاۃ میں لکھا ہے کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں اہل کوفہ کی یہ سب سے اچھی روایت ہے حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ درحقیقت یہ سب سے زیادہ ضعیف روایت ہے، جس پر انحصار کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں کئی ایسی علتیں ہیں، جو اسے باطل قرار دیتی ہیں اور پھر عاصم بن کلیب کی سند پر تمام ائمہ حدیث نے طعن کیا ہے۔

امام ابن حبانؒ نے حدیث عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمہ عن ابن مسعود اور اس حدیث محمد بن جابر حنفی یمامی کو خلط ملط کر دیا ہے، جسے ابن عدی نے کامل میں دار قطنی نے ''سنن'' میں اور بیہقیؒ نے ''سنن کبریٰ'' میں بیان کیا ہے

اور جس کے بارے میں ہم قبل ازیں گفتگو کر آئے ہیں۔ حافظ ''تلخیص'' ۲۲۲/ ۱ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذیؒ نے ''حسن'' اور ابن حزمؒ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے مگر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور پھر حافظ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام ابوحاتمؒ، امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام ابوداؤدؒ اور امام دارقطنیؒ جیسے جلیل القدر محدثین نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ان تمام محدثین کرام کے ارشادات ہم قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں پھر حافظ مزید لکھتے ہیں کہ محمد بن جابر کے طریق کو امام ابن جوزیؒ نے ''الموضوعات'' میں ذکر کیا ہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ محمد بن جابر لاشیئی ہے اور اس سے روایت کرنے والے اس سے بھی بدترین ہیں۔ اس روایت کے حال کو میں نے ''المدرج'' میں اس سے بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہے اور یہ اس قابل بھی نہیں کہ اسے متابعات وشواہد کے طور پر پیش کیا جائے اور یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ حدیث عاصم بن کلیب .... عن ابن مسعود متابعت وشواہد کے قابل ہے کیونکہ اس میں تو بہت ہی زیادہ علتیں ہیں جیسا کہ امام بخاری، ابوحاتم، ابن مبارک اور دیگر بہت سے محدثین نے فرمایا ہے لہٰذا یہ حدیث مطلقاً اس قابل نہیں کہ اسے اس باب میں داخل کیا جائے۔

پھر حافظ نے ''تلخیص'' ۲۲۲/ ۱ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس باب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کرتے تھے اور پھر نہیں کرتے تھے''، اسے امام بیہقیؒ نے ''خلافیات'' میں ذکر کیا ہے لیکن یہ روایت مقلوب اور موضوع ہے۔

اگر اس موضوع کا دِقتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پھر بات وہی صحیح ہے جو

حافظ نے فرمادی ہے اور پھر یہ کیوں صحیح نہ ہو جب کہ ابن عمرؓ سے تو مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کیا کرتے تھے جیسا کہ آپ کی اس حدیث کو اصحاب کتب ستہ اور ان کے علاوہ دیگر نقاد و حفاظ سنت نے بھی بیان کیا ہے اور پھر پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بھی ہیں، جنہوں نے رفع الیدین کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ ''جو نماز میں رفع الیدین کرے، اس کی نماز نہیں ہوتی'' تو یہ موضوع روایت ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بھی ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے اور اسے بھی امام ابن جوزی نے ''الموضوعات'' میں بیان کیا ہے اور ان سے پہلے علامہ جوز قانی بھی ان کو موضوع قرار دے چکے ہیں۔

ان موضوع احادیث کے ان دونوں مآخذ کو میں نے خود بھی دیکھا ہے، جن کا حافظ نے حوالہ دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، پھر آپ نے نماز کے افتتاح کے وقت تو اسے باقی رکھا اور دیگر مقامات پر ترک کر دیا، امام ابن جوزی نے ''التحقیق'' میں اسے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کا نہ کوئی اصل ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ اسے کس نے روایت کیا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف ثابت ہے، اسی طرح ابن زبیر کی روایت کو بیان کرنے کے بعد بھی امام ابن جوزی نے یہی لکھا ہے کہ اس حدیث کا نہ کوئی اصل ہے اور نہ یہ معلوم کہ اسے کس نے روایت کیا ہے کیونکہ صحیح حدیث میں ابن زبیر سے اس کے خلاف ثابت ہے اور پھر امام ابن جوزی مزید فرماتے ہیں کہ کس قدر کند ذہن ہے وہ شخص، جو ان احادیث موضوعہ سے استدلال کرتا ہے تاکہ ان کو صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش کر سکے؟

ان ضعیف احادیث اور ان کے علل وشذوذ کے سلسلہ میں بات طول اختیار کر گئی لیکن اس سے اس مسئلہ میں حق وصواب اور عدل وانصاف ضرور واضح ہو جائے گا، جس میں مولانا ٹھٹھوی نے یہ رسالہ لکھا ہے جو علمی انداز سے یکسر خالی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ایسی تحقیق پیش کی گئی ہے جس سے یہ نزاع دور اور یہ اختلاف ختم ہو، اگرچہ یہ ایک خفیف سا اختلاف ہے، جسے مسلمانوں کی باہمی اسلامی اخوت اور ایمانی محبت کے مابین حائل نہیں ہونا چاہئے۔

ابن قطان نے رفع الیدین نہ کرنے کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور جس کا مولانا ٹھٹھوی نے بھی حوالہ دیا ہے مگر افسوس کہ مولانا ٹھٹھوی نے اس کی تصحیح کے سلسلہ میں کسی قابل اعتماد مأخذ کا حوالہ نہیں دیا، جہاں تک ابن قطان کا تعلق ہے، وہ اگرچہ ایک عظیم امام، حافظ علامہ ناقد اور قاضی ہیں، پورا اسم گرامی ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک بن یحییٰ ابن ابراہیم الحمیری الکتانی الفاسی ہے جو کہ ابن القطان کے نام سے مشہور ہیں۔ علامہ ذھبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' ۱۴۰۷۔۱۴۰۸/۴ میں آبار اور ابن مسدی کے حوالہ سے ان کی کافی تعریف کی، ربیع الاول ۶۲۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ علامہ ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی کتاب ''الوھم والایھام'' کا مطالعہ کیا ہے، جو انہوں نے عبدالحق کی ''احکام کبریٰ'' کے جواب میں لکھی ہے، یہ کتاب ان کی قوت حفظ وفہم پر دلالت کرتی ہے لیکن اس میں انہوں نے کئی لوگوں کے حالات بیان کرتے ہوئے سخت بے اعتدالی کا مظاہرہ کیا اور قطعاً انصاف سے کام نہیں لیا مثلاً ہشام بن عروہ جیسے کئی لوگوں کو بھی انہوں نے ''لین'' قرار دیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا ابن قطان اگرچہ عظیم امام ہیں مگر آپ ان جہابذہ محدثین اور نقاد ائمہ سے بہت متاخر ہیں، جنہوں نے ابن مسعودؓ کی روایت کو ضعیف قرار دیا

ہے اور اس کے علل وشذوذ کو بھی واضح کیا ہے کیونکہ انہیں ان علل وشذوذ کا علم تھا جن کا ابن قطان کو علم نہیں تھا، چنانچہ حافظ زیلعیؒ نے ''نصب الرایۃ'' میں حافظ ابن حجرؒ نے ''تلخیص'' میں، امام احمدؒ نے اپنی عظیم المرتبت کتاب ''العلل ومعرفۃ الرجال'' میں، امام بخاریؒ نے ''جزء رفع الیدین'' میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے جیسا کہ امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور امام ابوداوٗدؒ نے اپنے اپنے سنن میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی رفع الیدین نہ کرنے کی اس حدیث کو قیامت تک کوئی صحیح قرار نہیں دے سکتا۔

اس سے عدم رفع الیدین کے قائل حضرات کی شان میں کوئی کمی کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس ایک اجر کے ان شاء اللہ وہ بھی مستحق ہیں، جو اجتہاد کے صحیح نہ ہونے کی صورت میں ملتا ہے واللہ اعلم۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ ''منہاج السنہ'' ۴/۱۱۵ میں حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ ان مکذوب اور موضوع روایات میں سے ایک ہے، جن کو غلط طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے، امام ابن قیمؒ ''المنار'' ص ۴۹ میں فرماتے ہیں کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہ کرنے کی تمام کی تمام روایات باطل ہیں، جنہیں غلط طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا ہے ان میں سے کوئی ایک روایت بھی صحیح نہیں مثلاً حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہرگز صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس امام بیہقی نے ''خلافیات'' میں از علقمہ از ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ایک حدیث مسلسل روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، جیسا کہ ابن الملقن نے ''البدر المنیر'' میں بھی اس روایت کو ذکر فرمایا ہے، علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی ''جلاء العینین'' ص ۹۲۔۹۳ میں فرماتے

ہیں کہ میں نے ''مختصر الخلافیات'' میں اس روایت کو دیکھا ہے تو سوال یہ ہے کہ ان جلیل القدر محدثین عظام اور ائمہ کرام کے مقابلہ میں ابن قطان کی کیا حیثیت ہے، جو عرصہ دراز سے اس موضوع سے فارغ ہو چکے ہیں؟

مولانا ٹھٹھوی کے مجہول مآخذ

اس کے بعد مولانا ٹھٹھویؒ نے ''کشف الرین'' کے ص ۳۵ پر لکھا ہے کہ اس حدیث کی صحیح سندوں میں سے ایک سند ابو بکر بن ابی شیبہ کی ہے، جس میں ابن مسعودؓ کے علاوہ پانچ راوی اور بھی ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) وکیع (۲) سفیان (۳) عاصم بن کلیب (۴) عبدالرحمٰن بن اسود اور (۵) علقمہ اور پھر انہوں نے حافظ ابن حجرؒ کی ''تہذیب التہذیب'' اور کئی متأخر کتب کے حوالہ سے ان کے حالات درج کیے ہیں، ان متأخر کتب میں سے مثلاً ایک ''تذکرۃ القاری'' بھی ہے، اس کتاب کے نام یا اس مؤلف کے بارے میں ہم نے پہلے کبھی نہیں سنا تھا، اس کا ذکر صرف اسی رسالہ میں دیکھا ہے بہر حال یہ کوئی اصلی یا ثانوی مأخذ نہیں ہے اور بوجوہ اس کا حوالہ دینا بھی جائز نہیں ہے۔

مولانا ٹھٹھوی کی محدثین کی جرح سے چشم پوشی

مولانا ٹھٹھوی نے ان راویوں کے حالات بیان کرنے اور ان کے مقام و مرتبہ کی بلندی کو ذکر کرنے میں بڑی تفصیل سے کام لیا ہے اور انہیں اس کا یقیناً حق بھی پہنچتا ہے لیکن انہوں نے ان علتوں اور شذوذ کی طرف ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا جو ان کی سندوں میں موجود ہیں اور جنہیں جہابذۃ محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل نے بیان فرمایا ہے اور انہوں نے اصول حدیث کے اس اہم قاعدہ کو بھی فراموش کر دیا ہے، جس پر تمام محدثین کا اجماع ہے کہ سند کے صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث بھی صحیح ہو، اگر اس موضوع سے متعلق میں اہل علم کے ارشادات نقل کرنے

لکھوں تو یہ چند اوراق ناکافی ہوں گے اور میں نہیں چاہتا کہ اس موضوع کا مطالعہ کرنے والے اکتا جائیں لہٰذا یاد رکھئے کہ سند کے صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث صحیح کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ معلل اور شاذ نہ ہو، تصحیح اسناد کے سلسلہ میں یہ دو بنیادی شرطیں ہیں مگر افسوس کہ مولانا نے اس موضوع پر قلم اٹھاتے وقت حق ادا نہیں کیا، کتب علل کا مطالعہ نہیں کیا، کتب اصول حدیث کی طرف رجوع نہیں فرمایا اور نہ ان متقدمین اہل علم کے ارشادات ہی کو ملاحظہ فرمایا ہے، جو کمال عدل وانصاف کے ساتھ اس موضوع سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں واللہ اعلم۔

اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ ہم یہاں مولانا کے اس کلام کو نقل کریں جو انہوں نے ان راویوں کی عدالت کے بارے میں ذکر کیا ہے، جن کی عظمت شان کو انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ انہوں نے ان رجال حدیث کے بارے میں بھی کثرت سے تعظیمی وتعریفی کلمات نقل کیے ہیں جنہوں نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر مولانا ٹھٹھوی اپنے رسالہ کے ص ۴۲ پر فرماتے ہیں کہ ''اسی طرح نسائی کی سند بھی صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق ہے کیونکہ اس میں ابن ابی شیبہ کی سند سے صرف ایک راوی زائد ہے اور وہ ہے محمود بن غیلان اور اس سے ابوداؤد اور دیگر اصحاب کتب ستہ نے روایت کیا ہے۔''

یہ ہے مولانا ٹھٹھوی کا نسائی کی سند کے بارے میں خیال جسے انہوں نے اپنے شیخ محمود بن غیلان مروزی سے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں ہم جملہ محدثین کے حوالہ سے یہ بیان کر آئے ہیں کہ یہ امام ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور امام احمد اور دیگر ائمہ کے نزدیک ایک ہی سند ہے اور یہ معلل ہے جیسا کہ اس سند کے بارے میں میں ائمہ نقاد کے اقوال بھی بیان کر چکا ہوں اور اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ یہ سند صحیح ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے کیونکہ حدیث معلل یا شاذ بھی

ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ یہ حدیث معلل ہے لیکن افسوس کہ ائمہ نقاد کے جس کلام کا ہم بار بار حوالہ دے آئے ہیں، مولانا ٹھٹھوی نے اس کی طرف کوئی ادنیٰ سا اشارہ بھی نہیں کیا۔

مسانید امام ابوحنیفہؒ کی حیثیت

پھر مولانا ٹھٹھوی فرماتے ہیں کہ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے حدیث ابن مسعودؓ کی جو سند بیان کی ہے، اس کے تمام رجال بھی ثقہ اور حماد بن ابی سلیمان کے سوا دیگر تمام راوی شیخین کی شرط کے مطابق ہیں، امام بخاریؒ نے اگرچہ اس کی ایک حدیث بھی نہیں لی تاہم امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت لی ہے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کی سند صحیح اور شرط مسلم کے مطابق ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ حدیث جسے مولانا ٹھٹھوی صحیح قرار دے رہے ہیں، اسے امام ابوحنیفہؒ سے کس نے روایت کیا ہے، اگر یہ اس حدیث کو مسانید امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کریں جسے شیخ ابوالمؤید خوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے مرتب کیا اور ''جامع مسانید الامام ابی حنیفہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے تو اہل علم کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ مؤلف سے لے کر امام ابوحنیفہؒ تک کوئی ایسی سند نہیں، جس سے مؤلف کا سماع ثابت ہوتا کہ ان احادیث کی صحت کا جائزہ لیا جا سکے۔ امام ابوحنیفہؒ اگرچہ ثقہ، عادل، عظیم امام اور حجت ہیں اور اہل علم نے آپ کے بارے میں جرح بھی بہت کی ہے، میرے پاس ساٹھ سے زیادہ قابل اعتماد ایسے مصادر و مآخذ ہیں، جن میں امام ابوحنیفہؒ پر جرح کی گئی ہے اور پھر یہ جرح بھی مفسر ہے حتیٰ کہ خود علامہ زیلعی حنفی نے بھی ''نصب الرایۃ'' ۷/۲، ۸/۲، ۱۸/۴ اور ۲۶۵/۴ میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو امام دارقطنی نے ''ضعیف'' اور ابن القطان نے ''ضعیف فی الحدیث'' قرار دیا ہے۔

امام دارقطنیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کو سنن ۱۶۷/۱ اور ۳۲۳/۱ میں ضعیف قرار دیا

ہے، علامہ زیلعی نے ان کے قول کو نقل کر کے اس کی تردید نہیں کی۔ واجب تھا کہ طے شدہ دستور کے مطابق یہ مسانید ثقہ راویوں کے واسطہ سے مروی ہوتیں لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ کسی بھی راوی نے امام ابوحنیفہؒ سے انہیں سنا یا روایت کیا ہو، ان مسانید پر علامہ سخاوی نے بھی تنقید کی ہے جیسا کہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون ۱۶۸۲ میں ذکر کیا ہے کہ علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ ''ان مختصرات میں سے ہر ایک میں کئی علتیں ہیں''۔ صاحب ''کشف الظنون'' نے ''مسانید امام ابوحنیفہ'' کے مرتبین کے نام شمار کرواتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان مسانید کو امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرنے والوں میں حسن بن زیاد لؤلؤی بھی ہیں۔

حسن بن زیاد لؤلؤی پر تنقید

اگر امام ابوحنیفہؒ سے ان مسانید کا راوی حسن بن زیاد ہے تو پھر اس کے حالات کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ علامہ خطیب نے ''تاریخ بغداد'' ترجمہ ۳۸۲۷۔ص ۳۱۴۔۳۱۷/۷ میں ان کے حالات ذکر کئے ہیں اور انہوں نے کئی سندوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ نقاد حدیث نے ان پر شدید جرح کی ہے، چنانچہ ان نقاد میں نضر بن شمیل بھی ہیں۔ خطیب نے اپنی سند کے ساتھ فتح بن عمرو کشی سے روایت کیا ہے کہ میں مرو میں آیا تو حسن بن زیاد کے پاس آیا اور میں نے ان کی کتابیں لکھ لیں اور پھر اس کے بعد جب میں نضر بن شمیل کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان سے ایک آدمی نے کہا اے ابوالحسن اس کشی نے تو حسن بن زیاد کے پاس رہ کر ان کی کتابیں بھی نقل کر لی ہیں، تو یہ سن کر وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ ''آپ تو اپنے ملک میں بہت زیادہ شر لے کر جا رہے ہیں'' انہوں نے یہ بات دو بار فرمائی۔ اس کے بعد علامہ خطیب بغدادی نے عبدالمومن بن خلف نسفی تک صحیح سند کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ میں نے ابوعلی صالح بن محمد سے حسن بن زیاد لؤلؤی کے بارے میں پوچھا.........

یاد رہے اس صالح سے مراد ابن جزرہ عمرو بن حبیب اُسدی، بغدادی نزیل بخارا ہیں، ان کے بارے میں علامہ ذھبی نے ''تذکرۃ الحفاظ'' ترجمہ نمبر ۶۶۴ ص ۶۴۱/۶۴۲/۲ میں لکھا ہے کہ یہ حافظ، علامہ ثبت اور شیخ ماوراءُ النہر ہیں، پھر انہوں نے ان کی مدح وستائش میں بہت کچھ بیان کرتے ہوئے امام دارقطنی کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ یہ ثقہ، حافظ، بارع اور عارف ہیں ان کی وفات ذوالحجہ ۲۹۳ھ میں ہوئی امام ذھبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تاریخ میں صالح کے مکمل حالات مع ان کے کچھ نوادر کے بیان کئے ہیں، کتب ستہ میں ان کی کوئی حدیث نہیں بہرحال ذکر یہ ہو رہا تھا کہ عبدالمؤمن بن خلف نسفی نے ابوعلی صالح بن محمد سے حسن بن زیاد لؤلؤی کوفی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اے صالح! وہ نہ تو ہمارے اصحاب کے ہاں قابل ستائش ہے اور نہ اپنے اصحاب کے ہاں، میں نے پوچھا اس پر کیا الزام ہے؟ تو انہوں نے فرمایا بدترین بیماری کا! لہٰذا حدیث میں وہ کچھ نہیں ہے۔ پھر خطیب نے محمد بن نافع تک اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حسن لؤلؤی امام سے پہلے سر اٹھا لیتا اور امام سے پہلے سجدہ میں چلا جاتا تھا، میں نے ان کو یہ بھی بیان کرتے ہوئے سنا ہے کیا یہ حدیث نہیں ہے کہ جس نے بیری کا درخت کاٹا اس کے سر کو آگ میں اوندھا کر کے گرایا جائے گا......لوگوں نے کہا کیا بیری کے بارے حدیث آئی ہے تو اس نے کہا کہ جو کھجور کے درخت کو کاٹے، اس کے سر کو دوبار آگ میں اوندھا کر کے گرایا جائے گا۔

مجھے محمد بن نافع کے حالات معلوم نہیں ہو سکے، شاید یہ نام غلط ہے اور صحیح نام محمد بن حجادہ ہے۔ حافظ نے ''تقریب'' ترجمہ نمبر ۱۰۰ ص ۱۰۵/۲ میں لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہے، پانچویں طبقہ سے ہے، ۱۳۱ھ میں فوت ہوا۔

یہ حدیث جس کا حسن بن زیاد لؤلؤی نے مذاق اڑایا ہے، اسے امام ابوداؤد نے

سنن، کتاب الأدب، باب قطع السدر، حدیث نمبر ۵۲۳۹، ص ۳۶۱/۴ میں بایں سند ومتن ذکر فرمایا ہے:

”قال ابو داؤد: حدثنا نصربن علی...... عن عبداللّٰہ بن حبشی قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : من قطع سدرة صوب اللّٰہ رأسه فی النار“

(عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے بیری کا درخت کاٹا، اللہ تعالیٰ اس کے سر کو آگ میں اوندھا کر کے گرائے گا)

امام ابو داوُدؒ سے جب اس حدیث کے معنی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث مختصر ہے اور اس سے مراد بیری کا وہ درخت ہے، جو کسی بیابان میں ہو، مسافر اور جانور اس کے سایہ سے فائدہ اٹھاتے ہوں مگر کوئی اسے ناحق ظلم وزیادتی سے کاٹ دے تو اللہ اس کے سر کو آگ میں اوندھا کر کے گرائے گا۔ امام ابوداوٗد نے ایک اور مرسل روایت بھی نمبر ۵۲۴۰ میں اور ایک نمبر ۵۲۴۱ میں ہشام بن عروہ سے بیان کی ہے کہ آپ سے حسان بن ابراہیم نے پوچھا تھا بہرحال یہ مرسل شواہد اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ ان معنی میں جو امام ابوداوٗد نے بیان فرمائے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے، اس حدیث کے راوی عبداللہ بن حبشی کے بارے میں حافظ ”تقریب“ ترجمہ نمبر ۳۲۴۸ ص ۱/۴۰۸ میں فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں، ابوقتیلہ ان کی کنیت اور یہ خثعمی ہیں اور نزیل مکہ ہیں، سنن ابوداوٗد اور نسائی میں ان کی حدیث موجود ہے۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج اموی مکی مدلس ہے، جس پر تدلیس تسویہ کا الزام ہے جیسا کہ بہت سے اصحاب الحدیث نے

فرمایا ہے لہٰذا اس کا عنعنہ مقبول نہیں ہے مگر اس کی حدیث کے مرسل شواہد بھی موجود ہیں، جنہیں امام ابوداوٗد نے سنن میں بیان فرمایا ہے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اس حدیث کو امام بغوی نے بھی ''شرح السنہ'' میں اسی سند کے ساتھ امام ابو داوٗد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اس کے حاشیہ نگار نے لکھا ہے کہ یہ سند ضعیف ہے اس میں ابن جریج کی تدلیس اور سعید بن محمد بن جبیر بن مطعم کی جہالت بھی ہے لیکن بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک مرسل روایت اس کی شاہد ہے جسے امام طحاوی نے ''مشکل الآثار'' ۱۱۷/۴ اور امام بیہقی نے ۱۲۱/۶ میں بسند حسن بیان کیا ہے، جس کی وجہ سے حدیث قوی اور صحیح ہو جاتی ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ایک اچھی بات ہے لیکن یہ حدیث تو ان شواہد سے بھی صحیح ہو جاتی ہے، جنہیں امام ابوداوٗد نے اس حدیث کے بعد ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حسن بن زیاد لوٗلوی کا اس حدیث کا مذاق اڑانا قطعاً ناروا تھا بلکہ اس نے درحقیقت ان تمام احادیث کا مذاق اڑایا ہے، جو قریباً انہی الفاظ کے ساتھ اسی مفہوم کی ہیں اور جنہیں شیخین نے ''صحیحین'' میں، امام احمدؒ نے ''مسند'' میں اور ابو داوٗدؒ، ترمذیؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ نے اپنے اپنے سنن میں اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

امام بخاری الصحیح، کتاب الاذان۔ باب نمبر ۵۳ حدیث ۶۹۱ ص ۸۲۔۸۳/۲ (الفتح) میں فرماتے ہیں:

"حدثنا الحجاج بن منهال...... سمعت ابا هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: اما يخشىٰ أحدكم أولا يخشى احد كم اذا رفع رأسه قبل الامام أن يجعل الله رأسه رأس حمار، أويجعل الله صورته صورة حمار"

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا، کیا وہ شخص نہیں ڈرتا جو امام سے پہلے اپنے سر کو اٹھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دے)

یہ ہے وہ حدیث، حسن بن زیاد لؤلؤی جس کا مذاق اڑاتا اور جس کے مطابق وہ نماز ادا نہیں کرتا تھا بلکہ اس کے نزدیک نماز ایمان میں داخل ہی نہ تھی، جس کی وجہ سے وہ اس کے تارک کو کافر نہیں سمجھتا تھا نیز وہ ایمان میں کمی بیشی کا بھی قائل نہ تھا بلکہ فقط مجرد تصدیق کو ایمان قرار دیتا تھا۔ خطیب بغدادیؒ نے ''تاریخ بغداد'' ص ۳۱۶/ ۷ میں اپنی سند کے ساتھ امام حافظ عبداللہ بن امام حافظ شیخ الاسلام ابوداؤد سجستانی سے روایت کیا ہے کہ میرے والد نے حسن بن زیاد دلوانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حسن بن زیاد لؤلؤی کو دیکھا کہ وہ حالت سجدہ میں ایک لڑکے کو بوسہ دے رہا تھا۔

اگر حسن کی یہ قبیح حرکت ثابت ہے تو امام ابوحنیفہؒ کو اسے اپنا شاگرد ہی نہیں بنانا چاہیے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اس کا علم نہیں ہوسکا۔

پھر خطیب نے اپنی اسناد کے ساتھ ابو اسامہ صاحب مسند سے بیان کیا ہے کہ حسن بن زیاد لؤلؤی کو ''جبت'' (بت) کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، پھر خطیب نے اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن معین سے بیان کیا ہے کہ حسن بن زیاد لؤلؤی کذاب اور خبیث تھا پھر خطیب نے امام ابن مدینی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اسد بن عمرو اور حسن بن زیاد لؤلؤی کی حدیث نہ لکھی جائے، امام یعقوب بن سفیان فسوی فرماتے ہیں کہ حسن لؤلؤی کذاب ہے، امام ابوداؤد سجستانی فرماتے ہیں کہ حسن بن زیاد لؤلؤی کذاب ہے، غیر ثقہ ہے، یہ مأمون نہیں ہے، امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ مجھ

سے ابوثور نے یہ بیان کیا کہ میں نے لؤلؤی سے زیادہ کذاب کوئی نہیں دیکھا، اس کی نوک زبان پر تھا ابن جریج عن عطاء، ابن ابی شیبۃ ابا اسامہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ خبیث ہے۔

خطیب نے امام نسائی سے نقل کیا ہے کہ حسن بن زیاد لؤلؤی ثقہ اور مأمون نہیں ہے، جب کہ امام دارقطنی نے اسے کذاب، کوفی اور متروک الحدیث قرار دیا ہے۔

خطیب نے صحیح اسانید کے ساتھ ان نقاد محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل سے حسن بن زیاد لؤلؤی کے بارے میں یہ جرح بیان کی ہے اور یہی وہ راوی ہے، جس کے بارے میں صاحب ''کشف الظنون'' نے یہ لکھا ہے کہ اس نے مسند امام ابوحنیفہؒ کو روایت کیا ہے، اسی مسند کو شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی المتوفی ۸۷۹ھ نے فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے اور دو جلدوں میں اسی پر'' الامالی'' بھی لکھی ہے اور اس مسند کا ''المعتمد'' کے نام سے جمال الدین محمد بن احمد قونوی دمشقی المتوفی ۷۷۰ھ نے اختصار لکھا ہے اور پھر اس کی ''المستند'' کے نام سے شرح بھی لکھی ہے اور اس کے زوائد کو ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے جمع کیا ہے۔

بہرحال ان تمام مسانید کا مرجع حسن بن زیاد لؤلؤی ہے اور اس کے علاوہ اس کی کوئی اور مستقل سند نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' ص ۱۶۸۲ میں امام ابوحنیفہؒ کی طرف منسوب ان مسانید کو مع ان کے مختصرات کے بیان کرنے کے بعد امام سخاوی کا یہ قول لکھا ہے کہ ان تمام مختصرات میں بہت سی علتیں ہیں۔

اگر اس موضوع کا دقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ جائزہ لیا جائے، جس کی طرف حاجی خلیفہ نے اشارہ کیا ہے، تو ان مسانید اور مختصرات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی، یہ چند باتیں نوک قلم پر بلا تحقیق وتمحیص ہی آ گئی ہیں۔ خوارزمی نے مقدمہ

جامع مسانید امام ابوحنیفہؒ میں ان ائمہ نقاد پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے شام میں بعض ایسے لوگوں کے بارے میں سنا ہے، جو امام ابوحنیفہؒ کے مقام ومرتبہ سے ناواقف ہیں، وہ ان کی شان میں کمی کرتے، ان کو حقیر جانتے، دوسروں کے مقام و مرتبہ کو بڑھاتے اور ان کو قلیل الروایت قرار دیتے ہیں اور اس سلسلہ میں استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھئے ''مسند شافعی'' کتنی مشہور ہے، جسے ابوالعباس الأصم نے جمع کیا ہے نیز ''موطأ مالک'' اور ''مسند امام احمد'' کس قدر مشہور ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کی اپنی کوئی مسند ہے ہی نہیں، ان سے تو صرف چند احادیث مروی ہیں تو ان لوگوں کی اس قسم کی باتیں سن کر میں دینی وربانی حمیت اور حنفی ونعمانی عصبیت میں مبتلا ہوگیا تو میں نے ارادہ کیا کہ ان مسانید میں سے پندرہ کو یکجا کردوں، جن کو فحول علماء حدیث نے جمع کیا ہے۔

مسانید امام ابوحنیفہؒ کے مرتبین اور ان کا حال

دیکھئے خوارزمی نے ان لوگوں کے بارے میں کس قدر شدید لب ولہجہ اختیار کیا ہے، جنہوں نے مسانید امام ابوحنیفہؒ کے وجود کا انکار کیا ہے اور انہیں قلیل الروایت قرار دیا ہے، جس کی وجہ سے وہ بزعم خود دینی وربانی حمیت اور حنفی ونعمانی عصبیت میں مبتلا ہوگئے اور انہوں نے ان مسانید کو جمع کیا اور ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ:

① پہلی مسند اسے امام حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث حارثی بخاری نے جمع کیا ہے، جو عبداللہ استاذ کے نام سے معروف ہیں۔

خوارزمی نے اس ''امام حافظ'' کی تاریخ ولادت ووفات ذکر نہیں کی، اگر وہ اسے ذکر کردیتے تو اس سے ہمیں امام ابوحنیفہؒ سے ان کے تعلق اور تلمذ کے بارے میں معلوم ہوسکتا اور امام ابوحنیفہؒ کے معاصر نہ ہونے کی صورت میں یہ معلوم ہوجاتا کہ اس نے اور کس سے اسے روایت کیا ہے؟ البتہ علامہ سمعانی نے ''انساب'' ص

۲۱۳۔۲۱۴/۳ میں سبذ مونی نسبت کے تحت لکھا ہے کہ یہ بخارا کی ایک بستی ہے، جو بخارا سے نصف فرسخ کے فاصلہ پر ہے، اس بستی کی ایک مشہور شخصیت ابوعبداللہ، عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن حارث حارثی ہے جو کہ روایت کرنے میں ضعیف اور نقل کرنے میں غیر ثقہ ہے، پھر اس کے بعض شیوخ وتلامذہ ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حافظ ابوبکر خطیب نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ عبداللہ استاذ عجیب و غریب اور منکر روایات بیان کرتا ہے اور وہ قطعاً حجت نہیں ہے اور پھر اس کے بارے میں بہت مفسر جرح ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ربیع الاول ۲۵۷ھ میں پیدا ہوا اور شوال ۳۴۰ھ میں فوت ہوا تھا، علامہ قرشی نے ''الجواھر المضیہ'' ترجمہ نمبر ۶۲۷ میں ص ۲۸۹۔۲۹۰/۱ میں بھی اس کے حالات اسی طرح ذکر کیے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع نہیں کیا، میں اس موقع پر یہ گزارش کروں گا کہ یہ راوی اگر ثقہ بھی ہو تو اس مسند کے روایت کرنے میں یہ قطعاً حجت نہیں ہے کیونکہ یہ امام ابوحنیفہؒ کا ہم عصر نہیں ہے جیسا کہ سب لوگ جانتے ہیں۔ واللہ اعلم

② دوسری مسند: اس کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر شاہد عدل نے جمع کیا ہے۔ خوارزمی نے اسے بھی تاریخ ولادت و وفات کے بغیر ذکر کیا ہے اور علامہ عبدالقادر قرشی نے بھی الجواھر المضیئۃ میں اس کے حالات بیان نہیں کیے لیکن معلوم نہیں کہ کیوں بیان نہیں کیے؟ البتہ خطیب نے ''تاریخ بغداد'' ترجمہ ۴۹۰۸ ص ۳۵۱/۹ میں اس کے حالات بیان کرتے ہوئے اس کے شیوخ اور تلامذہ کے ذکر کے بعد صحیح سند کے ساتھ محمد بن ابی الفوارس سے یہ روایت کیا ہے کہ طلحہ حدیث میں سیئی الحال تھا، مذہب اعتزال سے وابستہ اور اس کی طرف دعوت بھی دیتا تھا، میں نے حسن بن محمد الخلال سے سنا کہ طلحہ بن محمد معتزلی تھا اور مذہب اعتزال کی لوگوں کو دعوت بھی دیتا تھا لہٰذا واجب ہے کہ اس سے روایت نہ لی جائے،

علامہ خطیب نے اس کے بارے میں بہت سی مفسر جرح بھی نقل کی ہے اور ازھری اور عتیقی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ طلحہ کی ولادت ۲۹۱ھ کے آغاز میں ہوئی اور وفات ۳۸۰ھ میں ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ طلحہ بھی امام ابو حنیفہؒ کا ہم عصر نہیں ہے کیونکہ امام صاحب کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی اور یہ ۲۹۱ھ میں پیدا ہوا اور پھر یہ معتزلی بھی تھا اور داعی اعتزال بھی لہٰذا اس سے مسند تو کجا کچھ بھی نہیں لینا چاہے۔

③ تیسری مسند: اس کے بارے میں خوارزمی نے ص ۴/۱ میں لکھا ہے کہ اسے امام حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصفہانی نے جمع کیا ہے۔

حافظ ابو نعیم کبیر، ثقہ اور جلیل امام ہیں، مجھے ان کی ثقاہت، امامت اور حدیث و علوم حدیث میں مہارت میں کوئی شک نہیں لیکن آپ کی وفات تو ۴۳۱ھ میں ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ انہوں نے امام ابو حنیفہؒ سے اس مسند کو کس طرح روایت کیا ہے، روایت کے لئے صحیح سماع ہونا ضروری ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ اور حافظ ابو نعیمؒ کے مابین تو دو سو سال سے بھی زیادہ عرصہ ہے، پھر سوال یہ ہے کہ حافظ ابو نعیم سے اسے کس نے روایت کیا ہے تاکہ سماع اور نقل مسانید کے معروف قاعدے کے مطابق سماع، ضبط اور کتابت کا جائزہ لیا جا سکے؟ لیکن اس کا قطعا کوئی امکان نہیں کہ کسی ایسی شخصیت کو ثابت کیا جا سکے جس نے ابو نعیم سے اسے روایت کیا ہو!

④ چوتھی مسند: اس کے بارے میں خوارزمی لکھتے ہیں کہ اسے حافظ ابو الخیر محمد بن مظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد نے جمع کیا ہے۔

شیخ قرشی نے تو ''الجواھر المضیہ'' میں ان کے حالات بیان نہیں کئے البتہ علامہ خطیب نے ''تاریخ بغداد'' ترجمہ ۱۳۵۵ ص ۲۶۲۔۲۶۴/۳ میں ان کے حالات بیان کرتے ہوئے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور ابن مظفر تک اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے

کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری ولادت محرم ۲۸۶ھ میں ہوئی اور سب سے پہلی مرتبہ میں نے ۳۰۰ھ میں حدیث کو سنا، پھر خطیب نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن عمر بن اسماعیل قاضی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام دارقطنی کو دیکھا کہ وہ ابن مظفر کی بہت عزت کرتے اور تعظیم بجالاتے تھے، اپنی کتب میں انہوں نے ان سے بہت سی روایات لی ہیں، پھر خطیب نے امام دارقطنیؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ میں نے محمد بن عمر بن اسماعیل بن مظفر کی بہت سی کتب کو وڑاقین کے پاس دیکھا تو ایک وراق سے جب میں نے اس سلسلہ میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ ایک وراق نے مجھے ان کتابوں کے اسی رطل (سونے کے سکے) بھیجے ہیں۔

اس تفصیل سے ہمیں اس مسند کی قیمت کا اندازہ ہو جاتا ہے، جسے ابن مظفر نے جمع کیا جو کہ امام ابو حنیفہؒ کے معاصر نہ تھے اور پھر ان اصول کو وہ رطلوں کے ساتھ بیچ دیتے تھے اور کسی ثقہ راوی کو اس کے روایت کرنے کی اجازت نہ دیتے تھے حالانکہ قدیم یا جدید کسی بھی محدث کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ وراق کو اپنے اصول بیچ دے خواہ وراق ثقہ وعدل ہو یا نہ ہو اور اگر وہ ثقہ ہو بھی تو وہ اس لئے حجت نہیں ہے کہ اس نے اسے خریدا ہے بہر حال اس سے ابن مظفر کی طرف منسوب اس مسند کی قیمت معلوم ہو جاتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے ان کے کس شاگرد نے اس مسند کو روایت کیا ہے اور علم وعدالت کے اعتبار سے اس شاگرد کا مقام ومرتبہ کیا ہے؟ لیکن افسوس کہ اس طرح کی کوئی بات ہرگز ثابت نہیں ہے لہٰذا اس مسند کی بھی قطعاً کوئی حیثیت نہیں۔ واللہ اعلم

⑤ پانچویں مسند: اس کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے شیخ امام ثقہ عدل ابو بکر محمد بن عبدالباقی بن محمد الانصاری نے جمع کیا ہے

اس کے بھی صاحب ''الجواھر المضیۃ'' نے حالات بیان نہیں کیے ہاں البتہ

علامہ خطیب نے ''تاریخ بغداد'' ترجمہ ۹۱۵ ص ۳۹۴۔۳۹۵/۳ میں حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے ان سے روایات کو لکھا ہے، یہ صدوق تھا اور پھر لکھا ہے کہ میں نے انصاری سے تاریخ ولادت پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ میری ولادت سوموار کی رات ۱۳ رجب ۳۶۷ھ کو ہوئی اور ان کی وفات جمادی الأولیٰ ۴۴۸ھ میں ہوئی ہے لہٰذا ان کے طریق سے بھی یہ مسند، جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہے ثابت نہیں ہوتی، جس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

❶ یہ امام ابوحنیفہؒ کے معاصر نہیں تھے۔

❷ ان کا اس مسند کا سماع ثابت نہیں ہے۔

❸ اس کا وجود ہی کہاں ہے تا کہ اس کے ثبوت، روایت اور سماع کے بارے میں تحقیق کی جا سکے، اس کا تو وجود ہے ہی نہیں اور نہ کبھی ہوگا۔

⑥ چھٹی مسند: اس کے بارے میں خوارزمی لکھتے ہیں کہ اسے امام حافظ صاحب جرح وتعدیل ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی نے جمع کیا ہے، یہ ابواحمد امام ثقہ وعادل ہے جیسا کہ خوارزمی نے کہا لیکن بات وہی ہے کہ یہ بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہم عصر نہیں ہیں کیونکہ ان کی ولادت ۲۷۷ھ میں اور وفات ۳۶۵ھ میں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے امام ابوحنیفہؒ سے ان کی اسناد اور سماع کو ثابت کیا جائے اور وہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے، جب کہ حضرت الامام کی وفات ۱۵۰ھ میں ہے اور پھر انہوں نے خود اپنی کتاب ''الکامل فی ضعفاء الرجال'' ص ۲۴۷۲۔۲۴۷۹/۷ میں لکھا ہے کہ ابوحنیفہؒ کی کچھ احادیث صالح بھی ہیں لیکن ان کی اکثر روایات غلط اور تصحیف شدہ ہیں، ان کے اسانید، متون اور رجال میں اضافہ کیا گیا ہے، ان کی اکثر روایات ایسی ہیں لہٰذا ان کی روایات میں سے صرف دس سے کچھ ہی زیادہ احادیث صحیح ثابت ہوئی ہیں، انہوں نے تین سو کے قریب مشہور اور غریب روایات بیان کی ہیں اور وہ

سب کی سب ایسی ہی ہیں کیونکہ وہ اہل حدیث میں سے نہیں ہیں اور جس شخص کی حدیث میں یہ حالت ہو اس سے حدیث نہیں لی جا سکتی۔"

"الکامل" کا جو ایڈیشن دار الفکر بیروت سے طبع ہوا ہے، اس میں یہ عبارت اسی طرح ہے نیز میں نے ایک قدیم مخطوط نسخہ بھی دیکھا ہے، اس میں بھی یہ عبارت اسی طرح ہی ہے لہٰذا یہ مسند ابن عدی سے قطعاً ثابت نہیں ہے کیونکہ انہوں نے تو بہت سی سندوں کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں کلام کیا ہے، جب کہ ہمارے نزدیک امام صاحب ثقہ و عادل ہیں البتہ حدیث میں وہ سیئ الحفظ تھے۔

⑦ ساتویں مسند: اس کو حسن بن زیاد لؤلؤی نے روایت کیا ہے مگر یہ لؤلؤی بھی ثقہ نہیں تھا جیسا کہ قبل ازیں جہابذہ محدثین کے حوالہ سے اس کا حال بیان کر کے واضح کیا گیا ہے۔

⑧ آٹھویں مسند: اس کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام حافظ محمد بن حسن اشنانی نے جمع کیا ہے۔ شیخ عبد القادر قرشی نے تو "الجواھر المضیہ" میں ان کے حالات بیان نہیں کیے البتہ خطیب نے "تاریخ بغداد" ترجمہ نمبر ۵۹۸۰ ص ۲۳۶۔۲۳۹/۱۱ میں بیان کیا ہے کہ ان کی ولادت ۲۶۰ھ اور وفات ۳۳۹ھ میں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی امام ابو حنیفہؒ کے ہم عصر نہیں ہیں۔ خطیب نے ان کی سند سے صرف ایک حدیث بیان کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا تھا۔ بہر حال اس کے ہاتھوں جمع ہونے والی اس مسند کو امام ابو حنیفہؒ کی مسند ثابت نہیں کیا جا سکتا، واللہ اعلم۔

⑨ نویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے حافظ امام ابو بکر بن محمد بن خالد بن خلی کلاعی نے جمع کیا ہے۔ کلاعی کے حالات کو بھی صاحب "الجواھر المضیہ" نے بیان نہیں کیا اور نہ ان مصادر و مآخذ میں سے کسی میں ان کے حالات نظر سے گزرے، جو اس وقت میرے سامنے ہیں البتہ خطیب نے "تاریخ بغداد"

ترجمہ ۲۳۵۰ ص ۴۔۵/۵ میں بیان کیا ہے کہ احمد بن محمد بن خالد ابو بکر بروجردی بغداد آیا اور اس نے یہاں علی بن محمد بن عامر نہاوندی سے بیان کیا، بروجردی ۳۸۲ھ میں بغداد میں آیا تھا۔ خطیب نے اس کے بارے میں کوئی جرح وتعدیل اوراس کی تاریخ ولادت ووفات بیان نہیں کی بہرحال اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ یہ بہت متأخر ہے اوراگر یہ ثقہ، عدل اور مأمون بھی ہوتو پھر بھی اس سے یہ مسند اس کیفیت سے ثابت نہیں ہوتی، جس طرح اسے خوارزمی نے بیان کیا ہے۔

⑩ دسویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام حافظ اُبوعبداللہ محمد بن حسین بن محمد بن خسرو بلخی نے جمع کیا ہے۔ اس کے حالات کو بھی شیخ عبدالقادر قرشی نے بیان نہیں کیا ہاں البتہ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' نمبر ۱۶۸۱ میں اس مسند کے مؤلف وجامع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسے امام مسند ابوعبداللہ محمد بن حسین بن محمد بن خسرو بلخی المتوفی ۵۲۲ھ نے جمع کیا ہے، اس کی اچھے طریقے سے تخریج کی ہے، اس کے تھوڑے سے حصہ کو بیان کیا ہے اور وہ دو جلدوں میں ہے۔

بہرحال اس کی جو بھی کیفیت ہو، یہ بھی بہت متأخر ہے، اس کے طریق سے، سماع کے بغیر، امام ابوحنیفہؒ سے یہ مسند ثابت نہیں ہوسکتی اور پھر لطف یہ کہ فقہ احناف میں اس راوی کا ہمیں کوئی ذکر نہیں ملتا واللہ اعلم۔

⑪ گیارھویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام ابو یوسف قاضی یعقوب بن ابراہیم انصاری نے جمع کیا ہے اور اسے نسخہ ابو یوسف کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ابو یوسف امام، ثقہ، عادل، قاضی، انصاری ہیں، جمعرات کے دن بوقت ظہر ربیع الاول ۱۸۲ھ میں فوت ہوئے لیکن کسی بھی صحیح روایت سے آپ کے بارے میں

یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے امام ابوحنیفہؒ سے مسند کو اس طرح روایت کیا ہو، جس طرح سماع، ضبط اور اجازت کے طریق سے دیگر تمام جوامع، مسانید، سنن، معاجم، صحاح، اور اجزاء وغیرہ کتب حدیث مروی ہیں، پھر سوال یہ ہے کہ اس مسند کو قاضی ابو یوسف سے کن راویوں نے روایت کیا ہے، وہ کون لوگ ہیں، ان کے حالات کہاں ہیں، عدالت وثقاہت کے اعتبار سے ان کا مقام ومرتبہ کیا ہے تاکہ علمی انداز میں اس مسند کو ثابت کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا سکے مگر یہ تمام امور پردہ غیب میں ہیں واللہ اعلم۔ پھر خوارزمی نے جو یہ کہا ہے کہ اس مسند کو نسخہ ابو یوسف کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ اس نام سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے، جب کہ یہ تو مسند امام ابوحنیفہؒ ہے؟

⑫ بارھویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام محمد بن حسن شیبانی نے جمع کیا اور امام صاحب سے روایت کیا ہے، اسے نسخہ محمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ ایک مبہم کلام ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ واقعی امام ابوحنیفہؒ کی مسند ہے کیونکہ سوال یہ ہے کہ:

(ا) امام محمد سے اسے کس نے روایت کیا ہے؟۔

(ب) متاخرین میں سے جن تک یہ مسند پہنچی ہے، ان کی اسناد متصل کہاں ہے؟

(ج) اس مسند کے نسلاً بعد نسلٍ بطریق ثقات مروی ومسموع نسخے کہاں ہیں؟

(د) مذہب حنفی میں اصل واعتقاد کے اعتبار سے دیگر مذاہب ائمہ کی طرح اس مسند کا کیا اثر ہے؟

(ہ) مذہب حنفی سے وابستہ لوگوں کو اصحاب الرأی کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے جب کہ دیگر مذاہب سے وابستہ لوگوں کو اس نام سے موسوم نہیں کیا گیا؟

⑬ تیرہویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام حماد بن امام ابی حنیفہؒ نے جمع کیا اور اس نے اسے اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔
خوارزمی نے اسے بھی نقل وسماع وضبط کے مسلمہ طریقے کے بغیر لکھ دیا ہے حالانکہ اس کے لئے انہوں نے رواه عن أبيه اى الامام ابى حنيفة کے علمی اسلوب کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور پھر سوال یہ ہے:
(ا) حماد کے شاگردوں میں سے کس نے اس مسند کو روایت کیا ہے؟
(ب) کیا دنیا کے کتب خانوں میں اس مسند کا کہیں کوئی وجود ہے؟
(ج) علامہ ذھبیؒ نے ''میزان'' ترجمہ نمبر ۸۶۶ ص ۲۲۶/ا میں لکھا ہے کہ اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت کوفی جب اپنے باپ اور دادا سے روایت کرتے ہوں تو امام ابن عدی کے بقول تینوں ضعیف ہیں، پھر علامہ ذھبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ صالح جبزرہ بھی ثقہ نہیں ہے۔ حافظ نے ''لسان'' ترجمہ نمبر ۱۲۵۷ ص ۳۹۸۔۳۹۹/ا میں یہ بھی لکھا ہے کہ مطین نے بھی اسی طرح کہا ہے نیز وہ فتنۂ خلق قرآن میں مأمون کے دعاۃ میں سے تھا اور مأمون کے محل میں کہتا تھا کہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین بھی یہی ہے اور باپ دادا کے بارے میں یہ جھوٹ بولتا تھا۔
میں اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ مسند بطریق حماد بن ابی حنیفہ ہرگز ثابت نہیں ہے اور اس کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے سب سے اہم سبب یہ ہے کہ قدیم وجدید کسی دور میں کبھی بھی مسائل کے سلسلہ میں احناف نے اس مسند سے استدلال نہیں کیا واللہ اعلم۔
⑭ چودھویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام محمد بن حسن نے جمع کیا ہے، اس کا اکثر حصہ تابعین سے مروی ہے اور محمد بن حسن نے اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے اور یہ ''الآثار'' کے نام سے موسوم ہے۔

یہ دوسری مسند ہے جو امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی طرف منسوب ہے اور جسے انہوں نے خوارزمی کے بقول امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا اور جو الآ ثار کے نام سے موسوم ہے تو ان تفصیلات کے ساتھ ہمیں اس مسند کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا اور پھر ہمارے وہ پانچ سوالات اس مسند کے بارے میں بھی ہیں، جو امام محمدؒ سے مروی پہلی مسند یعنی مسند ۱۲ کے بارے میں تھے اور یہ سوالات ہنوز جواب طلب ہیں۔

⑮ پندرھویں مسند کے بارے میں خوارزمی نے لکھا ہے کہ اسے امام حافظ قاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام السعدی نے جمع کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بھی گزارش یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر قرشی نے تو ''الجواھر المضیئة'' میں ان کے حالات بیان نہیں کئے البتہ امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاً '' میں، امام نسائی کے حالات میں ص ۱۲۷/۱۴ میں لکھا ہے کہ قاضی مصر ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن ابی العوام سعدی نے کہا ہے کہ ہم سے احمد بن شعیب نسائی نے بیان کیا کہ ہمیں اسحاق بن راھویہ نے یہ خبر دی کہ ہم سے محمد بن اعین نے یہ بیان کیا کہ میں نے ابن مبارک سے کہا کہ فلاں شخص یہ کہتا ہے کہ جو یہ کہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ''اِنَّنِیۡ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ'' (طٰه:١٤) مخلوق ہے، وہ کافر ہے تو ابن مبارکؒ نے فرمایا کہ نسائی سچ کہتے ہیں، میرا بھی یہی قول ہے۔

یہ اسناد اور متن میں نے اولاً اس لئے بیان کیا ہے تا کہ یہ ثابت کرسکوں کہ یہ قاضی سعدی جو خوارزمی کے بقول جامع ''مسند'' ہیں، یہ امام ابو حنیفہؒ سے بہت متاخر ہیں کیونکہ یہ تو امام نسائیؒ صاحب سنن المتوفی بروز سوموار ۱۳ صفر ۳۰۳ھ کے شاگرد تھے اور یہ محال ہے کہ امام نسائیؒ کا شاگرد امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرے لہٰذا ضروری ہے کہ کسی ایسے ثقہ وعادل راوی کا امام ابو حنیفہؒ سے سماع واجازت ثابت ہو جس سے

صحیح اور متصل سند کے ساتھ یہ مسند امام سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ تک پہنچی ہو لیکن اس طرح کا سماع اور اجازت تو موجود نہیں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ مسند کہاں سے آئی اور اس کا وجود کس طرح صحیح مان لیا جائے؟ اور پھر سوال یہ ہے کہ فقہ احناف میں اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ سلف صالح کے ہاتھوں جس قدر بھی کتب جمع یا روایت ہوئی ہیں، ان کی تحقیق کے لئے ان تمام امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے لہٰذا یہاں محض نعمانی جذبات یا حنفی عصبیت سے بات نہیں بنے گی جیسا کہ خوارزمی نے ذکر کیا ہے بلکہ ضروری ہے کہ طے شدہ علمی و تحقیقی اسلوب و انداز میں حضرت الامام ابوحنیفہ ؒ کی طرف ان مسانید کی نسبت صحیح ثابت کی جائے بلکہ یہاں تو ایک یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان مسانید کے مؤلف خوارزمی ٦٦٥ھ کے اپنے حالات کن کن قابل اعتماد مصادر وماٴخذ میں مذکور ہیں تاکہ ان کے بارے میں بھی عدالت، ضبط، سماع اور اجازت وغیرہ سے متعلق بہت سے امور کی تحقیق کی جا سکے؟

مولانا ٹھٹھوی کی عجیب وغریب روش

مسانید الامام ابوحنیفہ ؒ کے بارے میں روایت، سماع، ضبط اور اجازت سے متعلق ان ضروری امور کے تذکرہ کے بعد، جنہیں مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی ؒ نے بیان نہیں کیا تھا، ہم گزارش کرتے ہیں کہ انہوں نے روایات کو ان کی اسانید پر کلام کے بغیر ذکر تو کیا لیکن نہ تو سند کا کوئی حوالہ دیا، نہ اس کے شذوذ اور علل کو بیان کیا اور نہ ہی ضعف اسانید اور ان کے عدم صحت کے بارے میں ائمہ سلف کے کلام کا کوئی حوالہ دیا، حوالہ دیا حالانکہ ائمہ محدثین اور نقادان فن عرصہ ہوا ان کے ضعف کو بیان کر چکے ہیں اور تو اور خود علامہ زیلعی ؒ نے بھی بڑی تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ ان امور کو بیان کیا ہے، جن کی وجہ سے عدم رفع الیدین کی ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا جنہیں مولانا ٹھٹھوی نے بیان کیا اور جنہیں شیخین کی شرط کے مطابق قرار دے کر صحیح

کہہ دیا ہے حالانکہ یہ ایک عجیب وغریب روش ہے، سلف وخلف میں سے کسی نے بھی اس روش کو اختیار نہیں کیا بلکہ سچ پوچھیں تو یہ ایک بے حد خطرناک بات ہے۔

حدیث براٴبن عازب

اس کے بعد مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' کے ص ۴۲ پر لکھا ہے کہ ان میں سے ایک حدیث براٴ بن عازب رضی اللہ عنہ بھی ہے، جسے عبدالرزاق، احمد، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، طحاوی اور دارقطنی نے بیان کیا ہے۔ عبدالرزاق نے اس روایت کو جامع میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے:

"عبدالرزاق، عن ابن عينية، عن يزيد، عن عبدالرحمٰن بن ابى ليلى، عن البرأبن عازب رضى الله عنه، قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كبر رفع يديه حتى ترى ابهاميه قريباً من أذنيه ثم لا يعود"

حضرت براٴبن عازب ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اللہ اکبر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے حتیٰ کہ آپ کے دونوں انگوٹھے دونوں کانوں کے قریب پہنچ جاتے اور پھر آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔

یہ حدیث بھی صحیح نہیں

مولانا ٹھٹھویؒ نے جن محدثین کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے حدیث براٴ کو بیان کیا ہے تو ان سب نے اس روایت کو بطریق یزید بن ابی زیاد ہاشمی بیان کیا ہے یعنی ان سب کے نزدیک یہ سند ایک ہی ہے لہٰذا ان مختلف ناموں کے تکرار کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ان سب کی سند یزید بن ابی زیاد ہاشمی کے گرد گھومتی ہے اور اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے تقریب ترجمہ ۴۲۵۴ ص ۳۶۵ / ۲ میں لکھا ہے کہ یہ کوفی اور ضعیف

ہے، بڑی عمر میں حافظہ میں خرابی آ گئی تھی، جس کی وجہ سے اسے لقمہ دیا جاتا تھا اور پھر یہ شیعہ بھی تھا اور پانچویں طبقہ میں سے تھا، ۱۳۶ھ میں فوت ہوا۔ حافظ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' ۱/۴۰۲ میں اس حدیث کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ اسے ہشیم، خالد اور ابن ادریس نے یزید بن ابی زیاد سے روایت کیا ہے لیکن ان سب نے یہ الفاظ ذکر نہیں کئے کہ ثم لا یعود یعنی پھر آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔

یہ الفاظ روایت کرنے میں شریک قاضی منفرد ہے اور اس شریک بن عبداللہ نخعی، کوفی کے بارے میں حافظ نے ''تقریب'' ترجمہ ۶۴ ص ۱/۳۵۱ میں لکھا ہے کہ یہ واسط میں اور پھر کوفہ میں قاضی تھے، ابوعبداللہ ان کی کنیت تھی، صدوق تھا مگر یہ غلطیاں بہت کرتا تھا، کوفہ میں قاضی بننے کے بعد ان کے حافظہ میں خرابی پیدا ہوگئی تھی، عادل، فاضل، عابد اور اہل بدعت کے بارے میں بہت سخت تھے، آٹھویں طبقہ سے تھے، ۱۷۸ھ میں فوت ہوئے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ان زائد الفاظ کو یزید بن ابی زیاد سے روایت کرنے میں دیگر راویوں سے منفرد ہیں اور وہ ہیں (۱) ہشیم بن بشیر سلمی واسطی جو کہ رجال ستہ میں سے ہیں (۲) خالد بن عبداللہ واسطی طحان، حافظ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ، ثبت اور آٹھویں طبقہ سے ہیں، ۱۱۰ھ میں ان کی ولادت اور ۱۸۲ھ میں وفات ہے، بہت سی کتب کے رجال میں سے ہیں (عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن اودی، ابومحمد کوفی، حافظ تقریب ۱/۴۰۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ عابد فقیہ اور آٹھویں طبقہ میں سے ہیں ۱۹۲ھ میں فوت ہوئے، کتب ستہ کے رجال میں سے ہیں الغرض جن جن ائمہ کبار ونقاد محدثین نے اس روایت کو یزید بن ابی زیاد ہاشمی سے روایت کیا ہے، ان کی روایت میں ثم لا یعود کے الفاظ نہیں ہیں اور پھر انہوں نے ''نصب الرایۃ''

۴۰۲/۱ میں امام ابن دقیق العید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے اس حدیث پر جسے مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی نے ذکر کیا اور صحیح قرار دیا ہے..... حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں:

❶ شریک قاضی نے جو یہ زائد الفاظ بیان کیے ہیں، ان کا انکار کیا ہے اور بتایا ہے کہ محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت نے ان زائد الفاظ کو ذکر نہیں کیا البتہ شریک کی متابعت بھی کی گئی ہے، جیسا کہ امام دارقطنی نے عن اسماعیل بن زکریا، ثنا یزید بن ابی زیاد کی سند سے اسی طرح بیان کیا ہے لیکن اس کے بارے میں امام دارقطنیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے اسے کلام سمجھایا جاتا تھا۔ علامہ زیلعیؒ نے بھی امام دارقطنیؒ کی اس متابعت کے بارے میں شیخ علامہ ابن دقیق العیدؒ کے حوالہ سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن دقیق العیدؒ نے اس زیادتی کی ایک علت یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ زیادتی اگرچہ اسماعیل بن زکریا بن مرہ خلقانی سے ثابت ہے اور حافظ نے تقریب ۶۹/۱ میں لکھا ہے کہ ابو زیاد کوفی کا لقب ''شقوص'' ہے اور وہ صدوق ہے غلطی کم کرتا ہے آٹھویں طبقہ سے ہے ۱۹۴ھ میں فوت ہوا، محدثین کی ایک جماعت کے رجال میں سے ہے۔

امام بخاریؒ نے صحیح کے اصول میں اس سے کوئی روایت نہیں لی البتہ متابعت میں اس سے چار احادیث لی ہیں جیسا کہ حافظ نے مقدمۃ الفتح ۳۹۰۔۳۹۱ میں لکھا ہے، جو کہ کسی دوسرے راوی کی روایت سے ہیں اور ان میں سے تین تو انہی چار احادیث میں سے ہیں اور چوتھی روایت ''عن محمد بن الصباح، عن ابی بردۃ، عن جدہ ابی بردۃ ،عن ابی موسیٰ'' جو اس آدمی کے قصہ سے متعلق ہے جس کی ایک آدمی نے تعریف کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کی

کمر کو توڑ دیا ہے، حدیث ابوبکرہ اور کئی دیگر احادیث اس کی شاہد بھی ہیں۔

اس تفصیل سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ تینوں یعنی ہشیم، خالد واسطی اور ابن ادریس، اسماعیل بن زکریا کی متابعت سے زیادہ قوی اور زیادہ عظیم ہیں کیونکہ امام دارقطنیؒ نے اس روایت کے بعد حدیث ۲۴، ص ۲۹۴/ ۱ میں علی بن عاصم بن صہیب واسطی سے نقل کیا ہے، جنہوں نے اس حدیث کو امام دارقطنیؒ سے ان کے شیخ محمد بن ابی لیلیٰ کے طریق سے روایت کیا ہے اور اس میں بھی یہ ''لم یعد'' کے الفاظ ہیں...... علی بیان کرتے ہیں کہ میں جب کوفہ میں آیا تو مجھے بتایا گیا کہ یزید بن ابی زیاد زندہ ہیں، میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھے یہ حدیث اس طرح بیان کی کہ مجھ سے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا اور انہوں نے براء سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے اللہ اکبر کہا اور دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھایا کہ وہ دونوں کانوں کے برابر ہو گئے۔'' میں نے کہا کہ ابن ابی لیلیٰ نے تو مجھے یہ خبر دی ہے کہ آپ نے کہا ہے کہ ''ثم لم یعد'' (یعنی پھر ہاتھوں کو نہیں اٹھایا) تو یزید بن ابی زیاد نے کہا کہ مجھے یہ یاد نہیں، میں نے بات کو پھر دوہرایا تو انہوں نے کہا کہ مجھے یاد نہیں۔

ملاحظہ فرمایئے کہ یہ امجاد و نقاد و حفاظ علم کے ضبط و نقل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے کس قدر شدت سے خواہش مند تھے یزید بن ابی زیاد...... سے جب علی بن عاصم بن صہیب واسطی نے براہ راست یہ پوچھا کیونکہ پہلے وہ اس روایت کو محمد بن عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ از یزید بن ابی زیاد کے واسطہ سے سن چکے تھے اور جب وہ کوفہ آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ یزید بن ابی زیاد ابھی تک زندہ ہیں تو انہوں نے ان زائد الفاظ کے بارے میں تحقیق کی، جس سے رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں احناف استدلال کرتے ہیں، تو یزید نے کہا کہ انہیں یاد نہیں کہ انہوں نے یہ الفاظ

بیان کیئے ہوں اور جب ان سے دوبارہ سوال کیا گیا تو انہوں نے پھر بھی یہی جواب دیا کہ انہیں یاد نہیں کہ انہوں نے یہ الفاظ بیان کیئے ہوں۔

یزید بن ابی زیاد سے دو سندوں سے اس روایت کو بیان کر کے درحقیقت امام دار قطنیؒ نے ان زائد الفاظ کی قلعی کھول دی ہے۔ علامہ زیلعی ''نصب الرایۃ'' ۴۰۲/۱ میں فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ کا قول ہے کہ میں نے امام حاکمؒ سے سنا ہے کہ یزید بن ابی زیاد کا حافظہ اچھا تھا لیکن بڑی عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ اسانید کو بدل دیتے، متون میں اضافہ کر دیتے تھے اور تمیز نہیں کر سکتے تھے، پھر امام بیہقیؒ نے حاکمؒ کے حوالہ سے امام احمد بن حنبل سے یہ روایت کیا ہے کہ یہ حدیث واہی ہے کیونکہ یزید بن ابی زیاد کچھ عرصہ تو اسے بیان کرتے رہے اور پھر وہ ''ثم لا یعود'' کے الفاظ کو یاد نہیں کرتے تھے، جب انہیں لقمہ دیا جاتا تو وہ ان الفاظ کو لے لیتے تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مولانا ٹھٹھوی نے مختلف حوالہ جات کے ذریعہ حدیث براُ کے بارے میں جو یہ تأثر دیا ہے کہ یہ مختلف طریق سے مروی ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو ان تمام محدثین کے نزدیک صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے نصب الرایۃ ۴۰۲، ۴۰۷/۱۔ اب میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں تاکہ ان ضعیف احادیث سے استدلال کرنے والے برادران پر یہ بحث زیادہ گراں نہ گزرے۔

مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ کے ص ۴۹ پر لکھا ہے کہ ''بطریق عبدالرزاق حدیث براء کی سند صحیح اور بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔''

اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ نہیں یہ روایت ہرگز صحیح نہیں حتیٰ کہ علامہ زیلعیؒ نے بھی اسے صحیح قرار نہیں دیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے التلخیص الحبیر ص ۲۲۱۔۲۲۳/۱ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں تمام حفاظ کا اتفاق ہے کہ اس میں ''ثم لم

بعد'' کے الفاظ مدرج ہیں۔ یہ یزید بن ابی زیاد کا قول ہے اور امام شعبہ، ثوری، خالد طحان، زہیر اور دیگر حفاظ محدثین نے اسے ان زائد الفاظ کے بغیر روایت کیا ہے۔

امام حمیدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی یزید کی طرف سے ہے اور (یزید یزیدُ اپنی طرف سے بڑھا دیتا ہے) امام دارمیؒ، امام احمدؒ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اسی طرح امام بخاریؒ، احمد، یحییٰؒ، دارمیؒ، حمیدیؒ اور دیگر کئی ایک محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے...... امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اسے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ نے روایت کیا ہے اور اس پر اختلاف کیا گیا ہے، کبھی تو کہا گیا ہے کہ اس نے اسے اپنے بھائی عیسیٰ اور پھر اپنے والد سے روایت کیا ہے اور کبھی کہا گیا ہے کہ اس نے اسے حکم عن ابن ابی لیلیٰ سے بیان کیا ہے اور کبھی یزید بن ابی زیاد کا نام لیا گیا ہے۔ امام دارمیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰؒ سے روایت کرنے والوں میں یزید بن ابی زیاد سے زیادہ قوی اور کوئی نہیں ہے۔ امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث ''لا یعود'' میں صحیح نہیں ہے۔ سنن دار قطنی کے حوالہ سے بھی ہم اس حدیث کے بارے میں قبل ازیں ذکر کر آئے ہیں تو اہل علم کے صحیح سند کے ساتھ منقول اس کلام کی روشنی میں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت براءؓ بن عازب ؓ کی یہ حدیث قطعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے واللہ اعلم۔

حدیث جابر سمرہ ؓ

مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ کے ص ۴۹ میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک حدیث جابر بن سمرہ ؓ بھی ہے، جو صحیح مسلم میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہو، گویا وہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں، نماز میں سکون اختیار کرو۔''

امام بخاریؒ کا اعتراض

اس حدیث سے استدلال پر امام بخاریؒ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ رفع تو تشہد میں تھا کیونکہ عبیداللہ بن قبطیہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ بیان کیا کرتے تھے کہ ہم جب نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تو کہتے السلام علیکم اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے دونوں طرف اشارہ کر کے دکھایا تو آپ نے فرمایا:
"ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ یہ اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہیں گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہوں، تم میں سے ایک کے لئے بس اسی قدر کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر رکھے اور پھر دائیں بائیں اپنے بھائی کو سلام کہہ دے"۔ اس حدیث کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو حدیثیں ہیں، جن کو یکجا کر دیا گیا ہے، علامہ ملا علی قاری نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

صحیح مسلم کے حوالہ سے مولانا ٹھٹھوی نے جو حدیث نقل کی ہے، آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا، رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں اس حدیث سے استدلال پر امام بخاریؒ نے جو اعتراض کیا، آپ نے اسے بھی ملاحظہ فرمایا اور اس اعتراض کا ملا علی قاری نے جو جواب دیا، آپ نے وہ بھی دیکھا، مولانا ٹھٹھوی کا یہ سب کچھ ذکر کرنا حالانکہ انہوں نے امام بخاری کے اعتراض کے سلسلہ میں ملا علی قاری کے جواب پر اعتماد کیا ہے، ایک عجیب وغریب اور قابلِ افسوس امر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حدیث کے الفاظ پر قطعاً غور نہیں کیا اور بلا سوچے سمجھے یہ کہہ دیا ہے کہ یہ دو مختلف حدیثیں ہیں، جن میں سے ایک کا دوسری کے ساتھ قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، گویا ان کے نزدیک یہ جائز نہیں کہ مجمل حدیث کی مفصل حدیث کے ساتھ تشریح وتفسیر کی جائے جیسا کہ محدثین کا انداز ہے اور پھر ان دونوں حدیثوں کو ہی امام مسلمؒ نے صحیح میں بطریق جابر بن سمرہ ؓ بیان کیا ہے اور ان پر امام نوویؒ نے ترجمہ باب

یہ قائم کیا ہے:

"باب الأمر بالسكون في الصلاة، والنهي عن الاشارة باليد، و رفعها عندا لسلام، واتمام الصفوف الأول، والتراص فيها والأمر بالاجتماع" (كتاب الصلاة باب نمبر ٢٧)

(نماز میں سکون کا حکم اور سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنے اور ہاتھوں کے اٹھانے کی ممانعت، پہلی صفوں کو پورا کرنے، خوب مل کر کھڑا ہونے اور اجتماعیت کا حکم)

پھر آپ نے یہ اسناد اس طرح بیان کی ہے جس کا خاص نمبر ۱۱۹ اور عام ۴۳۰ ہے ص ۳۲۲۔۳۲۳/۱)

"حدثنا ابو بكر بن أبي شيبة ، و أبو كريب قالا: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن المسيب بن رافع، عن تميم بن طرفة، عن جابر بن سمرة قال: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس و هي التي لا تستقربل تضرب و تتحرك بأذنا بها وأرجلها...... أسكنوا في الصلاة، قال ثم خرج علينا فرأنا حلقاً فقال مالي أراكم عزين؟ قال ثم خرج علينا فقال:ألا تصفون كما تصف الملائكة عندربها؟ فقلنا يا رسول الله! وكيف تصف الملائكة عند ربها؟ قال: يتمون الصفوف الأول و يتراصون في الصف۔"

(حضرت جابر بن سمرہ ﷛ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہو گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں...... "خیل شمس" ایسے گھوڑوں کو کہتے ہیں جو سکون سے نہ رہتے ہوں بلکہ اپنی دموں اور پاؤں کو ہلاتے رہتے ہوں...... نماز میں سکون اختیار کرو، پھر آپ تشریف لائے تو آپ نے ہمیں مختلف ٹکڑیوں میں دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں الگ الگ دیکھتا ہوں؟ پھر آپ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کیا تم اس طرح صفیں نہیں باندھو گے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں باندھتے ہیں؟ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے پاس کس طرح صفیں باندھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: پہلی صفوں کو پورا کرتے اور خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں)

یہ ہے وہ حدیث جس سے مولانا ٹھٹھوی نے "کشف الرین" میں ذکر کر کے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین نہ کرنے کے بارے میں استدلال کیا ہے اور اس حدیث سے انہوں نے بالکل صرف نظر کر لیا ہے، جسے امام مسلم نے اس کے بعد ایک، دوسری صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت کیا ہے اور جس سے پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ اس میں بعض لوگوں کی نظر میں کوئی اجمال ہو اور پھر اگر اس حدیث سے یہی مقصود ہے کہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین نہ کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ پھر احناف نماز وتر میں ارادہ رکوع کے وقت، نماز عیدین میں، نماز کسوف وخسوف اور جنازہ وغیرہ کی نماز میں کیوں رفع الیدین کرتے ہیں؟

اور یہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ نے امام شافعی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رفع الیدین کے معنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و بزرگی، اس کی ثناء اور اس کی کبریائی وعظمت کی طرف اشارہ کے ہیں۔

اس کے بعد امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث بیان فرمائی ہے جس کا نمبر ۱۲۰ اور عدد مسلسل ۴۳۱ص ۳۲۲۔۳۲۳/ ۱ ہے کہ:

"حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة قال: ثنا وكيع عن مسعر و حدثنا ابو كريب (واللفظ له) قال أخبرنا ابن أبي زائدة، عن مسعر، حدثني عبيدالله بن القبطية، عن جابر بن سمرة قال: كنا اذا صلينا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا: السلام عليكم و رحمة الله، السلام عليكم و رحمة الله، واشار بيده اِلى الجانبين. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم علام تو مئون بأيديكم كأنها أذناب خيل شمس؟ انما يكفي احدكم أن يضع يده على فخذه ثم يسلم على أخيه من على يمينه و شماله."

(حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرتے تو کہتے السلام علیکم و رحمتہ اللہ، السلام علیکم و رحمتہ اللہ اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے دونوں جانب اشارہ بھی کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیوں کرتے ہو گویا یہ سرکش گھوڑوں کی دمیں ہیں؟ تم میں سے ایک کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنی ران پر

رکھے اور اپنے دائیں بائیں جانب کے بھائی کو سلام کہہ دے)

یہ ہے وہ حدیث جسے مولانا ٹھٹھوی نے ملا علی قاری کی طرف سے امام بخاریؒ کے اعتراض کے جواب میں ذکر کیا ہے اور جس کے بارے میں ملا علی قاری نے کہا تھا کہ یہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں، ان میں سے ایک کا دوسری کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ان دونوں کے معنی میں کوئی ربط ہے حالانکہ یہ ایک ایسا گمان ہے جو حدیث کے معنی و لفظ اور منطوق و مفہوم کی روح سے بہت ہی دور ہے کیونکہ ان میں سے پہلی حدیث جس سے مولانا ٹھٹھوی نے عدم رفع الیدین کے بارے میں استدلال کیا ہے، اسے امام مسلم نے اپنے شیخ ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابوکریب سے روایت کیا ہے...... ابوکریب کا پورا نام محمد بن علاءؒ بن کریب ہمدانی ہے...... ان دونوں نے اسے ابومعاویہ یعنی محمد بن خازم ضریر سے، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے مسیّب بن رافع سے، انہوں نے تمیم بن طرفہ سے اور انہوں نے اسے حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کیا ہے اور یہ ایک طویل سیاق اور کچھ دیگر تفصیلات کے ساتھ ہے جیسا کہ آپ مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

جب کہ عبید اللہ بن قبطیہ کی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت اس اجمال کی وضاحت بیان کر رہی ہے۔ جس سے حنفیہ نے تفصیل کی طرف رجوع کئے بغیر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ ایک ہی حدیث ہے، جسے حضرت جابر بن سمرہ سے دو راویوں نے روایت کیا ہے، جن میں سے ایک تو تمیم بن طرفہ طائی مسلی ہیں۔ حافظ تقریب میں فرماتے ہیں (۱/۱۱۳) کہ یہ ثقہ اور تیسرے طبقہ سے ہیں، ۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ (مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے دوسرے راوی عبید اللہ بن قبطیہ کوفی ہیں، جو کہ ثقہ اور چوتھے طبقہ سے ہیں۔ یہ جزء رفع الیدین، امام

بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی کے رجال میں سے ہیں۔ ان دونوں نے اپنے شیخ صحابی جلیل حضرت جابر بن سمرہ بن جنادہ سے روایت کیا ہے اور یہ دونوں صحابی ابن صحابی ہیں، حافظ تقریب ۸۲۲/۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ کوفہ میں آئے اور وہیں ۷۰ھ کے بعد فوت ہوئے۔ محدثین کی ایک جماعت نے ان کی مرویات کو بیان کیا ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث کو امام ابوداؤد و نسائی نے اپنے اپنے سنن میں، امام احمد نے مسند ۸۶/ ۵ میں حدیث عبیداللہ بن قبطیہ کو مسلم کے الفاظ کے مطابق اور ص ۸۸، ۹۳/ ۵ میں اختصار کے ساتھ اور تمیم بن طرفہ کے الفاظ کے مطابق ۱۰۱/ ۵ میں اور عبیداللہ بن قبطیہ کے الفاظ کے مطابق ۱۰۲/ ۵ اور تمیم بن طرفہ کے الفاظ کے مطابق ۱۰۷/ ۵ میں بیان فرمایا ہے، جس سے اس حدیث کے الفاظ کی مکمل تفصیل معلوم ہو جاتی ہے لیکن یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ احناف اس حدیث کو حضرت جابر بن سمرہ ﷜ کے ایک شاگرد سے حالتِ اجمال میں تو لے لیتے ہیں لیکن حضرت جابر﷜ کے دوسرے شاگرد عبیداللہ بن قبطیہ سے اسے نہیں لیتے، جنہوں نے اسے تفصیل وتوضیح اور شرح وتفسیر کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یہ ایک بہت ہی عجیب و غریب اور افسوس ناک امر ہے، حافظ نے بھی ''تلخیص'' ۲۲۱/ ۱ میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد اسی طرح کہا اور پھر یہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کو امام مسلمؒ نے روایت فرمایا ہے اور اس میں اس بات کی قطعاً کوئی دلیل نہیں کہ نماز کے مخصوص مقام یعنی رکوع کے وقت ایک مخصوص انداز سے رفع الیدین نہ کیا جائے کیونکہ اس میں تو درحقیقت ایک طویل حدیث کا اختصار ہے اور وہ یہ کہ امام مسلمؒ نے اسے حضرت جابر بن سمرہ ﷜ سے بھی روایت کیا ہے، پھر حافظ نے عبیداللہ بن قبطیہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے، جسے میں امام مسلمؒ کے الفاظ میں قبل ازیں بیان کر آیا ہوں، پھر حافظ فرماتے ہیں کہ امام ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز میں سکون کا حکم دیا گیا اور سلام کے وقت اشارہ کرنے سے منع کر دیا گیا تھا، اس سے اس رفع الیدین کی ممانعت مراد نہیں ہے، جو رکوع کے وقت حدیث سے ثابت ہے اور پھر امام ابن حبانؒ نے بھی اس روایت کو صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ کے مطابق بیان کیا ہے۔ حضرت الامام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کی ممانعت پر استدلال کرے، اس کا علم میں کوئی حصہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک مشہور حدیث ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس میں وارد ممانعت کا تعلق حالتِ تشہد سے ہے۔

یہ ہے اہل علم کا کلام حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اور حافظ نے تلخیص ص ۱۰۰۔۱۰۱ میں حضرت الامام بخاریؒ کا جو کلام ذکر فرمایا ہے، یہ جزء رفع الیدین میں ہے۔ شیخ علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ نے ''جلاء العینین'' میں خوب لکھا ہے کہ اس حدیث کا چونکہ بوقت رکوع رفع الیدین سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین نے اسے سلام اور تشہد کے ابواب میں ذکر فرمایا ہے مثلاً امام مسلم نے اور علامہ نوویؒ نے اس پر ترجمہ باب یہ قائم فرمایا ہے:

''باب الأمر بالسكون فی الصلاة، والنهی عن الاشارة باليد، و رفعها عندا لسلام۔''

(نماز میں سکون کا حکم اور سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ کرنے اور ہاتھوں کے اٹھانے کی ممانعت)

امام ابن خزیمہؒ نے صحیح میں اس حدیث پر باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے:

"باب الزجر عن الاشارة باليد يميناً و شمالاً عندالسلام فی الصلوة۔''

(نماز میں سلام کے وقت ہاتھ سے دائیں بائیں اشارہ کرنے کی ممانعت)

اسی طرح امام ابن حبانؒ، ابوعوانہؒ، بیہقیؒ اور کئی دیگر محدثین نے بھی اسے سلام و تشہد کے ابواب میں ذکر فرمایا ہے۔ امام نسائی ج ۳ ص ۴ میں باب السلام بالأیدی فی صلوٰۃ (نماز میں ہاتھوں کے ساتھ سلام کا باب) اور ج ۳ ص ۶۱ میں باب موضع الیدین من السلام (سلام کے وقت ہاتھوں کی جگہ) میں اس حدیث کو بیان فرمایا ہے، امام محمد بن حسن شیبانیؒ نے ''کتاب الحجۃ'' ج ۱ ص ۴۳ میں اس حدیث کو باب التشھد والسلام علی النبی ﷺ (تشہد اور نبی ﷺ پر سلام کا باب) میں ذکر کیا ہے حتیٰ کہ امام طحاویؒ نے بھی اس حدیث کو مسئلہ رفع الیدین کے سلسلہ میں بیان نہیں کیا حالانکہ اس موقع پر بیان کرنے کی انہیں شدید ضرورت تھی۔ امام نوویؒ نے ''شرح المھذب'' ج ۳ ص ۴۰۳ میں فرمایا ہے کہ ان حضرات کا حدیث جابر بن سمرہؓ سے استدلال عجیب و غریب چیز اور جہالت کی بدترین قسم ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق رکوع کو جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین سے نہیں ہے، حضرات صحابہ کرامؓ نماز سے سلام پھیرتے ہوئے بھی دونوں طرف ہاتھوں سے اشارے کیا کرتے تھے لہٰذا اس حدیث میں انہیں اس سے منع کر دیا گیا اور اس مسئلہ میں اہلحدیث میں یا ان لوگوں میں جن کا حدیث سے ادنیٰ سا بھی تعلق ہو، کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اسی طرح شیخ متقی ہندیؒ نے ''کنز العمال'' ج ۳ ص ۳۴۰ میں اس حدیث کو باب منع الاشارۃ بالید وقت السلام (بوقت سلام ہاتھ سے اشارہ کی ممانعت) میں ذکر کیا ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق سے عرصہ ہوا علماء فارغ ہو چکے ہیں مگر علامہ زیلعی نے نصب الرایۃ ص ۳۹۳۔۳۹۴/ ۱ میں مسلم اور نسائی کے حوالہ سے حدیث جابر بن سمرہؓ ذکر کرنے کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ ''کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ دو حدیثیں ہیں اور ان

میں سے ایک دوسری کی تفسیر بیان نہیں کرتی جیسا کہ حدیث اول کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور پھر انہوں نے حدیث تمیم بن طرفہ ذکر کی ہے اور پھر لکھا ہے کہ جو شخص سلام کے وقت ہاتھوں کو اٹھاتا ہے، اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ نماز میں سکون اختیار کرو' بلکہ یہ الفاظ تو اس شخص سے کہے جائیں گے، جو نماز کے دوران یعنی رکوع وسجدہ کی حالت میں ہاتھوں کو اٹھائے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، راوی نے جس طرح دیکھا اسے بیان کر دیا اور دوسرے نے جس طرح دیکھا اسی طرح بیان کر دیا اور اس میں کوئی بُعد نہیں واللہ اعلم۔

علامہ زیلعی کا وہم وگمان

یہ ہے علامہ زیلعی کا کلام حدیث جابر بن سمرہ ﷺ کے بارے میں، جو ان سے ان کے دو شاگردوں تمیم بن طرفہ اور عبیداللہ بن قبطیہ کے طریق سے مروی ہے۔ علامہ زیلعی نے جو یہ کہا ہے کہ حدیث جابر بن سمرہ درحقیقت دو حدیثیں ہیں، ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں تو ان کی یہ بات نہایت عجیب وغریب ہے اور اس کے حسب ذیل اسباب ہیں:

1. علامہ زیلعی کی یہ بات محض ظن وگمان پر مبنی ہے، رسول اللہ ﷺ سے ثابت کسی دلیل پر نہیں کہ جو حالت سلام میں ہو، اسے یہ نہیں کہا جاتا کہ اُسْكُنُ فِي الصَّلَاةِ (نماز میں سکون اختیار کرو) گویا علامہ زیلعی کے نزدیک ہاتھوں کے ساتھ اشارہ کا یہ عمل نماز ختم ہونے کے بعد تھا حالانکہ یہ سلام سے پہلے تھا لہٰذا بلا شک وشبہ اس وقت وہ ابھی تک نماز ہی میں ہوتے تھے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے، جس کی سند حسن ہے اور جسے امام احمد نے مسند میں، دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اپنے اپنے سنن میں، ترمذی نے جامع میں، دارقطنی نے سنن میں، شافعی نے مسند میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں عبداللہ بن محمد بن عقیل سے،

انہوں نے محمد بن علی بن حنفیہ سے، انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مفتاح الصلاۃ الوضؤ، وتحریمھا التکبیر و تحلیلھا السلام"
(نماز کی چابی وضو، اس کی تحریم اللہ اکبر اور اس کی تحلیل سلام ہے)

امام بغوی نے شرح السنہ ۵۵۸ص ۱۷/۳ میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، شرح السنہ کے محقق نے لکھا ہے کہ اسے امام نوویؒ نے خلاصہ میں حسن قرار دیا ہے، اسی باب سے متعلق ترمذی کی حدیث ۲۳۸ بھی ہے اور پھر انہوں نے حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو اس کے شاہد کے طور پر بھی پیش کیا ہے۔

اس حدیث پر غور وتدبر فرمایئے کیونکہ اس سے مسئلہ کی توضیح وتفسیر اور علامہ زیلعی کے اس وہم وگمان کی تردید ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھوں کو اٹھانا نماز سے خارج تھا۔ علامہ زیلعی کی یہ بات بعید از قیاس اور حد درجہ تعصب پر مبنی ہے کیونکہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کی حدیث تو تواتر لفظی ومعنوی سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ نے فتح ۲۲۰/۲ میں فرمایا ہے کہ انہوں نے تتبع کیا تو معلوم ہوا کہ رفع الیدین کی احادیث پچاس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔

علامہ زیلعی کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی تھی کہ صحیح وثابت دلائل کو چھوڑ کر حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی اپنے وہم وگمان سے توجیہ بیان کرتے حالانکہ خود صحیح مسلم کی حدیث عبیداللہ بن قبطیہ میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

۲ آنحضور علیہ الصلاۃ والسلام نے جو یہ فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث عبداللہ بن محمد بن عقیل میں ہے کہ وتحلیلھا السلام (اور سلام ہی کے ذریعہ نماز سے فارغ ہوا جا سکتا ہے) تو اس کے معنی یہ ہیں جو شخص سلام سے پہلے کی حالت میں ہو وہ مکمل طور پر

سلام پھیرنے کے بعد ہی نماز سے خارج ہو سکتا ہے حتیٰ کہ جس نے ابھی تک ایک ہی سلام پھیرا ہو اس کے بارے میں بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گیا ہے جیسا کہ حدیث عبداللہ بن عقیل قرشی ہاشمی کی روشنی میں یہ بات معروف و معلوم ہے۔

❁ اگر اس بعید از قیاس توجیہ کو مان لیا جائے، جسے علامہ زیلعی وغیرہ نے بیان کیا ہے تو پھر اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنا بھی ایک امر منکر ہے کیونکہ یہ بہت دور کی کوڑی ہے، جسے علامہ زیلعی اپنی طرف سے ظن وگمان سے لائے ہیں اور دیگر بہت سے دلائل سے انہوں نے صرف نظر کر لیا ہے، پھر رفع الیدین کے معنی جو امام بیہقیؒ نے امام شافعیؒ سے بیان کئے ہیں اور پھر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا امام ابوحنیفہؒ سے مناظرہ، یہ ساری باتیں یکساں طور پر قبیح و باطل قرار پاتی ہیں کیونکہ ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کرنے اور رکوع کے لئے جانے اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع الیدین کرنا ایک جیسا امر ہے کیونکہ ان تمام مقامات میں رفع الیدین کے قائل حضرات میں کوئی فرق نہیں ہے مثلاً تکبرات عیدین، صفا و مروہ، جنائز، استسقاء اور کسوف وخسوف کی تکبیروں میں رفع الیدین کہ جابر بن سمرہ ﷛ سے تمیم بن طرفہ نے جو حدیث بیان کی ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصود کبھی بھی یہ کیفیت اور یہ مقام نہ تھا جس کا حنفیہ نے انکار کیا اور جسے بزعم خود انہوں نے منسوخ قرار دیا ہے بلکہ اس سے آنحضور ﷺ کا مقصود تو وہ عمل تھا، جسے وہ سلام سے قبل رانوں پر ہاتھوں کے مارنے کی صورت میں بجا لاتے تھے، جس طرح شیعہ امامیہ اب بھی کرتے ہیں لہٰذا حدیث تمیم بن طرفہ از جابر بن سمرہ میں موجود ممانعت نبوی کا تعلق عقلاً اور نقلاً اس بات سے ہرگز نہیں ہے، جس کا احناف نے گمان کیا ہے واللہ اعلم۔

علامہ ابن اثیر نے ''النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر'' ص ۵۰۱/۲ میں مادہ شمس کے تحت "مالي أراكم رافعي أيديكم في الصلاة كأنها أذناب خيل شمس" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شمس، شموس کی جمع ہے اور اس کے معنی اس جانور کے بھاگنے کے ہیں، جو اپنی سرکشی و تیزی کی وجہ سے قرار نہ لیتا ہو، علامہ ابن اثیر نے شمس کے معنی کی یہ توضیح وتشریح بیان کی ہے اور پھر اس حدیث کے آغاز میں اذناب ''دموں'' کا لفظ بھی آیا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کے اٹھانے کو سرکش گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی ہے اور اگر احناف کے بقول اس سے مراد رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کا رفع الیدین ہے تو سوال یہ ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں احناف جو رفع الیدین کرتے ہیں نیز عیدین، جنائز، صفا و مروہ اور دیگر مواقع پر جو رفع الیدین کرتے ہیں، اس پر اس کا اطلاق کیوں نہیں؟ لہٰذا ان کی یہ بات عقل و نقل سے حد درجہ بعید محض تعصب پر مبنی ہے، یہ ان بلند تر معانی کو پا ہی نہیں سکے، جو رفع الیدین سے مقصود ہیں اور انہوں نے رکوع کے وقت اور دیگر اوقات میں رفع الیدین میں جو فرق کیا ہے، اس کی نہ عقل تائید کرتی ہے اور نہ نقل اور اسی سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ جمہور سلف و خلف نے احناف کو جو اصحاب الرأی کے نام سے موسوم کیا تو اس میں وہ کس قدر حق بجانب تھے، ورنہ مسئلہ رفع الیدین کوئی اتنا بڑا مسئلہ تو نہ تھا، یہ تو محض ایک فرعی مسئلہ ہے جیسا کہ حافظ نے فتح ۲۲۰/۲ میں حضرت الامام بخاریؒ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے حدیث ابن عمرؓ کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''ان کے استاد امام علی بن مدینی نے فرمایا کہ تمام مسلمانوں پر یہ حق ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی اس حدیث کی وجہ سے وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کریں'' - یہ الفاظ ابن عساکر کی روایت میں ہیں اور امام بخاریؒ نے ''جزء رفع الیدین'' میں یہ

بھی بیان فرمائے ہیں اور مزید یہ لکھا ہے کہ ’’امام علی بن مدینیؒ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔‘‘

اس کے مقابل بعض حنفیہ کا یہ قول ہے کہ رفع الیدین سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن حافظ نے لکھا ہے کہ امام بخاریؒ نے ’’جزء رفع الیدین‘‘ میں فرمایا ہے کہ ’’جو شخص اس بدگمانی میں مبتلا ہو کہ رفع الیدین بدعت ہے، وہ گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرتا ہے کیونکہ کسی ایک صحابی سے بھی ترک رفع الیدین ثابت نہیں ہے، رفع الیدین کی احادیث کی اسانید اس قدر صحیح ہیں کہ ان سے بڑھ کر اور کوئی اسانید صحیح نہیں ہیں۔‘‘

امام بخاریؒ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث کو سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے، امام حاکم اور ابوالقاسم نے ذکر کیا ہے کہ ان میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔

روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ

مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ ’’کشف الرین‘‘ کے ص ۱۵ پر ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہے، جسے امام طبرانی نے عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی، عن الحکم، عن مقسم، عن ابن عباس“ کی سند سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ صرف سات مقامات پر ہاتھوں کو اٹھایا جائے (۱) جب نماز شروع کرے۔ (۲) جب مسجد حرام میں داخل ہو (۳) جب بیت اللہ کی طرف دیکھے (۴) جب عرفہ کی شام لوگوں کے ساتھ کھڑا ہو (۵) جب وہ مروہ پر کھڑا ہو (۶) مزدلفہ میں اور دونوں مقام پر اور (۷) جب جمرہ کو رمی کرے۔ اور امام بخاریؒ نے رفع الیدین کے بارے میں اپنی مستقل کتاب میں معلقاً ذکر کیا ہے کہ ’’قال وکیع، عن ابن ابی لیلٰی، عن الحکم، عن

مقسم، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم" صرف سات مقامات پر ہاتھوں کو اٹھایا جائے۔ (۱) نماز کے افتتاح کے وقت (۲) استقبال قبلہ کے وقت (۳) صفا ومروہ کے پاس (۴) عرفات میں (۵) مزدلفہ میں (۶) دونوں مقام میں اور (۷) دونوں جمروں کے پاس۔

یہ روایت بھی ضعیف ہے

مولانا ٹھٹھوی نے اس روایت کو اس طرح تکرار کے ساتھ ذکر تو کیا لیکن اس روایت کے بارے میں ائمہ نقاد کا جو کلام تھا، اسے انہوں نے ذکر نہیں کیا اس روایت پر تنقید کرنے والے ائمہ کرام میں خود حضرت الامام بخاریؒ بھی ہیں، جنہوں نے اسے "جزء رفع الیدین" ۸۵ص ۱۵۸۔۱۶۳ میں معلقاً ذکر فرمایا اور پھر لکھا ہے کہ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث سنی ہیں اور یہ ان میں سے نہیں ہے اور یہ روایت محفوظ بھی نہیں ہے کیونکہ اصحاب نافع نے مخالفت کی ہے اور حکم کی مقسم سے روایت مرسل ہے۔ طاؤس، ابوحمزہ اور عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے کہ آپ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، اگر مذکورہ سات مقامات پر رفع الیدین کے بارے میں، حدیث ابن ابی لیلیٰ صحیح بھی ہو تو حدیث وکیع میں یہ تو نہیں ہے کہ صرف ان مقامات ہی پر رفع الیدین کیا جائے یعنی ان مقامات پر بھی رفع الیدین کیا جائے گا اور رکوع کو جاتے اور رکوع سر اٹھاتے وقت بھی تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو سکے اور پھر اس میں کوئی تضاد بھی تو نہیں جیسا کہ احناف نے کہا ہے کہ تکبیرات عیدین (فطر واضحیٰ) میں جو ان کے بقول چودہ ہیں، رفع الیدین کیا جائے تو کیا اس رفع الیدین کا ذکر حدیث ابن ابی لیلیٰ میں ہے؟ بعض کوفیوں نے نماز جنازہ کی چاروں تکبیروں میں رفع الیدین کرنے کا کہا ہے کیا یہ سب کچھ حدیث ابن ابی لیلیٰ سے زائد امور نہیں ہیں؟

ان سات مقامات کے علاوہ اور بھی کئی ایک مقامات کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع الیدین کئی ایک احادیث میں ثابت ہے الغرض حضرت الامام بخاریؒ نے اس طرح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما پر تبصرہ کیا ہے اور پھر یہ حدیث ضعیف بھی ہے جیسا کہ انہوں نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ یہ حکم بن عُتَیْبَہُ ابو محمد کندی کے حوالہ سے ہے اور انہوں نے مقسم بن بُجرہ سے صرف چار احادیث سنی ہیں اور یہ ان میں سے نہیں ہے اور امام شعبہؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ محفوظ بھی نہیں ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے بھی فرمایا ہے اور پھر انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ طاؤس، ابوحمزہ اور عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، اگر آپ کی یہ حدیث صحیح ہوتی، جس پر احناف نے اعتماد کیا ہے، تو آپ کا عمل اس کے خلاف نہ ہوتا مگر آپ کا عمل اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح نہیں تھی۔

پھر ابن ابی لیلیٰ کے بارے میں، جن کا پورا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاری کوفی ہے، حافظ نے تقریب ۶۰۴۰ ص ۲/۱۸۴ میں لکھا ہے کہ یہ راوی صدوق ہے مگر اس کا حافظہ بے حد خراب تھا، ساتویں طبقہ سے ان کا تعلق ہے، ۱۴۸ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

اگر یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ صحیح ہوتی تو خود احناف بھی اس کی مخالفت نہ کرتے مگر انہوں نے بھی کئی دیگر مقامات پر رفع الیدین کو اختیار کر کے اس حدیث کی مخالفت کی ہے مثلاً تکبیرات عیدین جو ان کے بقول چودہ ہیں، ان میں یہ رفع الیدین کے قائل ہیں حالانکہ اس کا ذکر بھی حدیث ابن ابی لیلیٰ میں نہیں ہے، اس طرح ان پر اور بھی بہت سے امور لازم آتے ہیں جیسا کہ یہ ان لوگوں پر لازم قرار دیتے ہیں جو رکوع کو جاتے، رکوع سے سر اٹھاتے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے

وقت رفع الیدین کے قائل ہیں۔

علامہ زیلعی نے بھی ''نصب الرایۃ'' ص ۳۹۱۔۳۹۲/ ۱ میں روایت حکم از مقسم از ابن عباس رضی اللہ عنہما کے صحیح نہ ہونے کے بارے میں ابن دقیق العید کے حوالہ سے کئی علتیں ذکر کی ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب ''الامام'' میں اس حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے:

❶ اس میں ابن ابی لیلیٰ متفرد ہے لہٰذا اس روایت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

❷ وکیع نے ان سے اس روایت کو ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موقوف روایت کے طور پر بیان کیا ہے اور امام حاکم فرماتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ سے روایت کرنے والے دیگر راویوں کی نسبت وکیع زیادہ ثابت ہے۔

❸ تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت نے صحیح سندوں کے ساتھ عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے اور اسے نبی اکرم ﷺ کی سنت قرار دیتے تھے۔

❹ امام شعبہؒ فرماتے ہیں کہ حکم نے مقسم سے صرف چار احادیث کو سنا ہے اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔

❺ خود حکم سے روایت ہے کہ وہ تمام روایات جن میں سات مقامات میں رفع الیدین کا ذکر ہے، صحیح نہیں ہیں بلکہ تواتر کے ساتھ بہت سے دیگر مقامات میں رفع الیدین کی احادیث بھی ثابت ہیں مثلاً استسقاٗ میں، نمازوں میں، دعاٗ کے وقت اور نماز صبح و وتر میں آنحضرت ﷺ نے قنوت کے وقت ہاتھ اٹھائے بھی ہیں اور آپ نے اس کا حکم بھی دیا ہے۔ امام بیہقیؒ نے بطریق امام شافعیؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہاتھوں کو نماز میں اٹھایا اور جب بیت اللہ کو دیکھا اور صفا و مروہ پر اور عرفہ کی شام اور مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے پاس اور میت

کے پاس بھی آپ نے ہاتھوں کو اٹھایا"

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ "ابن ابی لیلیٰ نے اسے کبھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت کیا ہے اور کبھی مرفوع مگر اس میں میت کا ذکر نہیں کیا اور یہ ابن ابی لیلیٰ قوی نہیں ہے"۔

علامہ زیلعی نے کسی تردید یا تعاقب کے بغیر امام ابن دقیق العید کا یہ سارا کلام نقل کیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے بھی یہ تسلیم کر لیا ہے کہ یہ حدیث حکم از مقسم از ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح نہیں ہے۔

حدیث ابنِ زبیر ﷜ بھی بے اصل ہے

پھر مولانا ٹھٹھوی نے "کشف الرین" کے ص ۵۲ پر لکھا ہے کہ ان میں سے ایک حدیث عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی ہے، جسے دہلوی نے "شرح الصراط المستقیم" میں بیان کیا ہے، پھر انہوں نے دہلوی کی فارسی عبارت تو نقل کی ہے مگر حدیث کی عربی عبارت نقل نہیں کی اور نہ اس کے اصلی مأخذ ہی کا حوالہ دیا ہے البتہ علامہ زیلعی نے "نصب الرایۃ" ۳۹۲/۱ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنھما سے روایت کیا گیا ہے کہ نماز میں رفع الیدین کے بارے میں جو مروی ہے، اسے انہوں نے ابتداء نماز پر محمول کیا ہے لیکن اس کے بارے میں علامہ زیلعی خود ہی فرماتے ہیں کہ یہ بہت عجیب بات ہے، اسے ابن جوزیؒ نے "التحقیق" میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ حنفیہ کا گمان یہ ہے کہ رفع الیدین کی احادیث دو حدیثوں کی وجہ سے منسوخ ہیں، جن میں سے ایک تو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه كلما ركع و كلما رفع ثم صار الى افتتاح الصلاة و ترك

ماسوی ذلك"

(رسول اللہ ﷺ جب بھی رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کیا کرتے تھے مگر پھر آپ نے صرف افتتاح نماز کے وقت تو رفع الیدین کو رہنے دیا اور باقی کو ترک کر دیا)۔

اور دوسری انہوں نے ابن زبیرؓ سے مروی یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے رکوع کے وقت ایک شخص کو رفع الیدین کرتے دیکھا تو فرمایا:

"مه فان هذا شيئى فعله رسول الله ﷺ ثم تركه"

(رک جاؤ، یہ ایک ایسی چیز ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا اور پھر ترک کر دیا تھا)

پھر علامہ زیلعی نے لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کا کوئی اصل معلوم نہیں ہے، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے تو اس کے خلاف ثابت ہے، امام ابوداؤدؒ نے میمون مکی کی یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا کہ آپ کھڑے ہوتے ہوئے، رکوع کو جاتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے اپنی دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کرتے تھے، مکی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اگر آپ کو یہ بات پسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی طرف دیکھیں، تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی نماز کی اقتداء کرو اور پھر اگر بالفرض یہ روایت صحیح ثابت بھی ہو تو دعویٰ نسخ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ ناسخ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ منسوخ سے قوی ہو۔"

علامہ زیلعی نے امام ابن جوزی کی کتاب "التنقیح" سے یہ عبارت اسی طرح نقل کی ہے اور اس کی تردید یا تعاقب میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا بلکہ "نصب الرایۃ" کے محقق نے لکھا ہے کہ حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا کوئی وجود نہیں ہے"

امام ابنِ عبدالہادیؒ حنبلی کی تحقیق

"اس مسئلہ کو امام علامہ ابن عبدالہادی حنبلی نے اپنی بے حد اہم اور نفیس کتاب "تنقیح التحقیق فی احادیث التعلیق" مسئلہ نمبر ۱۲۹ص ۶۷-۸۰/۱ میں نہایت تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا اور خوب لکھا ہے، تکبیر تحریمہ کے سوا دیگر مواقع پر عدم رفع الیدین کی ان تمام احادیث کا انہوں نے جائزہ لیا ہے، جن سے احناف استدلال کرتے ہیں اور پھر انہوں نے رفع الیدین کے اثبات کے بارے میں بھی بہت سی احادیث کو مکمل تخریج اور سند و متن کے بارے میں ائمہ محدثین کے ارشادات کے ساتھ ذکر کر کے ثابت کیا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث تو رسول اللہ ﷺ سے لفظی و معنوی تواتر سے ثابت ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اس حدیث عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی حوالہ دیا ہے، جسے علامہ زیلعی نے "نصب الرایۃ" میں بیان کیا ہے اور پھر علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تنقیح التحقیق" ص ۶۹/۱ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی رفع الیدین کی سنت کو حضرات صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، جن میں سے حضرت عمر ؓ، علی ؓ، ابو موسیٰ ؓ، محمد بن مسلمہ ؓ، ابو قتادہ ؓ، ابن عمر ؓ، ابن عمرو ؓ، ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو سعید ؓ، ابو اسید ؓ، جابر ؓ، انس ؓ، ابو ہریرہ ؓ، سہل بن سعد ؓ، ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور دیگر بہت سے حضرات صحابہ کرام ؓ ہیں اور کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ نے رفع الیدین نہیں کیا بلکہ ابن عمر ؓ تو اگر کسی کو دیکھتے کہ وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کر رہا تو آپ اسے کنکری مارتے حتیٰ کہ وہ رفع الیدین کرنے لگ جاتا۔ "تنقیح" کے محقق نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اس بات کو امام بخاریؒ نے "جزء رفع الیدین" ص ۵۳، ابن عبدالبرؒ نے "تمہید" ۲۲۴/۹ اور امام دارقطنیؒ نے "سنن" ۲۸۹/۱ میں بھی لکھا ہے۔

بیہقیؒ کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما

مولانا ٹھٹھوی کو یہ بات زیب نہیں دیتی تھی کہ وہ حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو اس طرح بیان کرتے کہ اسے دہلوی نے ''شرح صراط مستقیم'' میں بیان کیا ہے اور پھر انہوں نے حدیث کے معانی فارسی زبان میں بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کسی بھی اصلی یا فرعی مآخذ کے حوالہ سے اس کے سند و متن کو ذکر نہیں کیا اور پھر انہوں نے اپنے رسالہ ''کشف الرین'' کے ص ۵۳ پر لکھا ہے کہ ان میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہے جسے امام بیہقیؒ نے ''خلافیات'' میں اپنی سند کے ساتھ (عبداللہ بن عون الخراز، مالک، زہری، سالم، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے) بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نمازوں کو شروع کرتے وقت رفع الیدین کرتے تھے اور پھر نہیں کرتے تھے۔''

انہوں نے ''خلافیات'' بیہقی سے اس حدیث کو اس سند کے ساتھ اس طرح ذکر تو کیا ہے مگر اس کے سند و متن کے بارے میں ائمہ نقاد کے اقوال بیان نہیں کئے لہٰذا تحقیق کے لئے یہ سپاٹ انداز کافی و شافی نہیں ہوتا مگر علامہ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' ۱/۴۰۲ میں ''خلافیات'' بیہقی کی اسی روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ امام حاکمؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت باطل اور موضوع ہے لہٰذا سوائے جرح وقدح کے اسے بیان کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ صحیح سندوں کے ساتھ امام مالکؒ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ امام دارقطنیؒ نے اسے غرائب مالک میں بھی ذکر نہیں کیا۔''

علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے ''جلاء العینین'' ص ۵۰۔۵۱ میں علامہ زیلعیؒ کے امام بیہقیؒ سے منقول اس کلام کے حوالہ کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی مجہول بھی ہے، بعض اہل عصر نے شرح ابن ماجہ مغلطائی میں اسے اس

طرح بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے کہ امام بیہقیؒ نے ''خلافیات'' میں اس سند کو اس طرح بیان کیا کہ ''محمد بن غالب ثنا احمد بن محمد البرانی ثنا عبداللہ بن عون الخراز'' مگر یہ سند بھی تاریک ہے کیونکہ امام بیہقیؒ اور محمد بن غالب کے درمیان واسطہ مجہول ہے کیونکہ ابن غالب سے مراد تمتام ہے جو کہ ۲۸۳ھ میں فوت ہوا، ملاحظہ فرمایئے ''تاریخ بغداد'' ج ۱ص ۱۴۶ جب کہ امام بیہقیؒ کی ولادت ۳۸۴ھ میں ہے جیسا کہ ''تذکرہ الحفاظ'' ج ۳ص ۱۱۲۳ میں ہے لہٰذا ان دونوں کے درمیان تو یہ بے حد بعید مسافت ہے، یہاں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ممکن ہے کہ امام بیہقیؒ نے اسے امام حاکمؒ سے اور انہوں نے ابن غالب سے روایت کیا ہو کیونکہ امام حاکمؒ کی ولادت ۳۲۹ھ میں ہے جیسا کہ ''تذکرۃ الحفاظ'' ج ۳ص ۱۰۳۹ میں ہے گویا وہ بھی تمتام کی وفات کے اڑتیس برس بعد پیدا ہوئے، یہی وجہ ہے کہ امام حاکم نے مستدرک میں کئی ایک مقامات پر ان سے روایت کو ایک واسطہ کے ساتھ لیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اس سند میں یقیناً ایک مجہول راوی ہے، جس کے بارے میں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون ہے تاکہ سند کا مکمل جائزہ لیا جا سکے۔''

یہ ہے شیخ علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے اس حدیث کے بارے میں، جسے امام حاکم نے باطل موضوع اور من گھڑت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی روایت سے صرف وہی شخص استدلال کر سکتا ہے جس کا علم اور ذوق سلیم سے کوئی واسطہ نہ ہو، واللہ اعلم۔

حدیث عبادؓ بن زبیر رضی اللہ عنہ

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' کے ص ۵۳ پر لکھا ہے کہ انہی میں سے ایک حدیث عباد بن زبیر ہے، جسے بھی امام بیہقیؒ نے خلافیات میں اس طرح بیان کیا ہے:

"أخبرنا أبوعبدالله الحافظ، عن أبی العباس محمد بن یعقوب، عن محمد بن اسحاق، عن الحسن بن الربیع، عن حفص بن غیاث عن محمد بن یحییٰ، عن عباد بن الزبیر أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم كان اذا افتتح الصلاة رفع یدیه فی أول الصلاة، ثم لم یرفعهما حتی یفرغ"

(عباد بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کوشروع کرتے تو نماز کے آغاز میں رفع الیدین کرتے اور پھر نماز سے فارغ ہونے تک رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے)

یہ حدیث مرسل ہے

شیخ ابن دقیق العید اپنی کتاب ''الامام'' میں فرماتے ہیں کہ یہ عباد تابعی ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل حنفیہ کے نزدیک مقبول ہے خصوصاً جب کہ وہ قرون ثلاثہ کی مرسل ہو اور مسانید سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو۔

مولانا ٹھٹھوی نے اس مرسل روایت کو ''خلافیات بیہقی'' سے اور پھر اس کے بارے میں علامہ ابن دقیق العید کے کلام کو اسی طرح نقل کیا ہے اور پھر خود اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ مرسل روایت حنفیہ کے ہاں حجت ہے خصوصاً جب کہ دیگر موصول اسانید سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو، علامہ زیلعی نے بھی ''نصب الرایۃ'' ص ۴۰۴/۱ میں اس روایت اور پھر اس کے بارے میں علامہ ابن دقیق العید کے کلام کو نقل کر کے ''کہ یہ عباد تابعی ہیں لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے'' سکوت اختیار کیا ہے اور اس پر کچھ تعاقب وغیرہ نہیں کیا، جس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے امام ابن دقیق العید کی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے۔

اس مقام پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مرسل روایت کی سند کا جائزہ لے لیا جائے کیونکہ مرسل ضعیف احادیث کی قسموں میں سے ہے جیسا کہ ماہر اور نقاد و حذاق ائمہ کا اس کے ضعیف اور ناقابل استدلال ہونے پر اجماع ہے خصوصاً جب کہ اس کی خلاف تواتر لفظی بھی موجود ہو، حافظ ابن حجرؒ نے فتح ۲/۲۲۰ میں اپنے شیخ حافظ ابوالفضل عراقیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے جب رفع الیدین کی احادیث کے طرق کو جمع کیا تو معلوم ہوا کہ پچاس صحابہ کرام ﷡ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفع الیدین کی سنت کو روایت کیا ہے لہٰذا ان متواتر اور صحیح احادیث کے مقابلہ میں عدم رفع الیدین کے لئے مولانا ٹھٹھوی کا اس مرسل روایت کو پیش کرنا حددرجہ عجیب وغریب اور افسوس ناک طرز عمل ہے۔ واللہ ھوالمستعان

کچھ ضعیف آثار ترکِ رفع الیدین کے بارے میں

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' ص ۵۴ میں ذکر کیا ہے کہ رفع الیدین کی نفی کے بارے میں کچھ آثار بھی مروی ہیں، وہ بزعم خود ایسے آثار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک اثر حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کا بھی ہے اور اسے ہم اسانید عبداللہ بن مسعود ﷜ کے سلسلہ میں امام دارقطنیؒ کے حوالہ سے قبل ازیں بیان کر آئے ہیں۔

یہ ایک عجیب وغریب بات ہے جو مولانا ٹھٹھوی کو ہرگز زیب نہیں دیتی تھی کیونکہ امام دارقطنیؒ نے سنن حدیث نمبر ۲۵ ص ۱/۲۹۵ میں اپنی سند کے ساتھ عبداللہ ﷜ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز ادا کی تو انہوں نے نماز کے افتتاح کے وقت صرف تکبیر اولیٰ کے لئے رفع الیدین کیا تھا۔''

لیکن امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن جابر متفرد ہے جو کہ عن

حماد عن ابراھیم روایت کرنے میں ضعیف ہے اور حماد کے علاوہ دیگر راوی اسے ابراھیم سے مرسل روایت کرتے ہیں اور عبداللہ کے حوالہ سے اسے موقوف بیان کرتے ہیں یعنی یہ ان کا اپنا فعل ہے آنحضرت ﷺ کا یہ عمل نہیں ہے۔"

مولانا ٹھٹھوی کو چاہئے تھا کہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس کی حیثیت کے بارے میں امام دارقطنی کا یہ ارشاد بھی نقل کرتے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہرگز ترک رفع الیدین کسی ایک بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

مولانا ٹھٹھوی "کشف الرین" ص ۵۴۔۵۵ میں لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک اثر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

" ثنا ابن آدم...... عن الاسود قال صليت مع عمر رضی الله عنه فلم يرفع يديه في شيئی من صلوته الا حين افتتح الصلاة"

(اسود سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے نماز میں صرف افتتاح کے موقع پر رفع الیدین کیا)

امام دارقطنیؒ نے بھی اسے مذکورہ سند کے ساتھ احادیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں بیان کیا ہے۔"

امام زیلعی نے بھی یہ روایت "نصب الرایۃ" ص ۴۰۵/ ا میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسے طحاوی نے روایت کیا ہے مگر اس پر امام حاکم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت شاذ ہے، اس سے نہ تو استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے اخبار صحیحہ

کے مقابلہ میں پیش ہی کیا جا سکتا ہے اور پھر طاؤس بن کیسان، ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو سفیان ثوری رحمہ اللہ نے بھی زبیر بن عدی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''لم یعد'' (پھر انہوں نے دوبارہ نہیں کیا) اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور اس سے امام بیہقی رحمہ اللہ نے عن سفیان، عن الزبیر بن عدی، عن ابراہیم سند کے ساتھ اسود سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بہت سی صحیح سندوں کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ آپ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے لہٰذا ان کے مقابلہ میں اس شاذ روایت کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہے، جس میں ایک ثقہ راوی دیگر بہت سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرنے میں منفرد ہے۔

اگر صحیح سند سے ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے تو پھر بھی آپ کا یہ فعل حجت نہیں ہوگا کیونکہ تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کیا کرتے تھے لہٰذا حضور ﷺ کا جو عمل محدثین کے نزدیک تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اس کے خلاف کوئی قول و عمل کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

پھر مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ ''کشف الرین'' ص ۵۵ پر لکھا ہے کہ انہی میں سے ایک اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی ہے، جسے امام محمد نے اپنے موطأ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"قال محمد بن صالح...... قال ان علیا کان یرفع یدیه فی التکبیرة الأولی التی تفتتح بها الصلاة ثم لا یرفعهما فی شیئی من الصلاة"

(حضرت علی ﷺ تکبیر اولیٰ میں ،جس کے ساتھ نماز کو شروع کیا جاتا ہے، رفع الیدین کیا کرتے تھے لیکن پھر نماز میں کسی اور جگہ رفع الیدین نہیں کرتے تھے)

اس اثر کو امام بخاریؒ نے بھی ''جزء رفع الیدین'' ص ۴۴۔۴۵ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے ابوبکر نہشلی نے عاصم بن کلیب سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی ﷺ نے پہلی تکبیر میں تو رفع الیدین کیا اور پھر بعد میں نہ کیا۔ حدیث عبیداللہ اس کی شاہد ہے اور جب ایک محدث سے دو راوی روایت کریں اور ان میں سے ایک کہے کہ میں نے اسے یہ کام کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور دوسرا کہے کہ میں نے نہیں دیکھا تو جو یہ کہے کہ میں نے دیکھا ہے، وہ اس کا شاہد ہوتا ہے اور جو کہے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا تو وہ اس کا شاہد نہیں ہوتا کیونکہ اس نے اس کام کو یاد نہیں رکھا تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی مثال بھی ایسے ہی ہے جیسے دو گواہ یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص نے یہ خود اقرار کیا ہے کہ فلاں شخص کا ایک ہزار درہم اس کے ذمے ہے اور ایک اور گواہ یہ کہے کہ نہیں اس نے کوئی اقرار نہیں کیا تو اس صورت میں دو گواہوں کی گواہی کے مطابق عمل کیا جائے گا اور ان کے خلاف جو شخص گواہی دے گا، اس کی گواہی کو ساقط قرار دیا جائے گا۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ حضرت بلال ﷺ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی تھی، تو اس صورت میں لوگوں نے حضرت بلال ﷺ کے قول کو لیا ہے کیونکہ وہ شاہد ہے اور انہوں نے نماز کی نفی کرنے والے کے قول کی طرف التفات نہیں کیا کیونکہ اس نے یاد نہیں رکھا۔ امام عبدالرحمٰن بن مہدی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام سفیان ثوری کے پاس اس حدیث نہشلی کا ذکر کیا تو انہوں نے اسے صحیح ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سند کے ساتھ موقوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر پر تو کلام کیا ہے لیکن اس اثر کی سند پر انہوں نے کلام نہیں کیا کیونکہ انہوں نے خود "جزء رفع الیدین" ص ۱۶۔۴۳ میں فرمایا ہے کہ سترہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی سنت رفع الیدین کو روایت کیا ہے اور ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

رفع الیدین کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو مرفوع روایت مروی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی تردید کرتے ہوئے حضرت الامام بخاریؒ نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے اصحاب سنن اربعہ، امام احمد اور علامہ طحاوی نے بیان کیا ہے، امام احمد نے مسند ۹۳/۱ میں بیان کیا ہے:

"ثنا سليمان بن داود.......... عن علی بن أبی طالب رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه کان اذا قام الی الصلاة المکتوبة کبرو رفع یدیه حذو منکبیه، و یصنع مثل ذلك اذا قضی قرأته وأرادأن یرکع و یصنعه اذا رفع رأسه من الرکوع ولا یرفع یدیه فی شیئی من صلاته وهوقاعد، و اذا قام من السجدتین رفع یدیه کذلك و کبر"

(حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فرض نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے اور جب قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کا ارادہ فرماتے تو بھی اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح کرتے، نماز

میں بیٹھنے کی حالت میں آپ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے ہاں
البتہ جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے تو پھر رفع الیدین
کرتے اور اللہ اکبر کہتے تھے)

یہ حدیث ابوبکر نہشلی کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے، علامہ زیلعی نے بھی اسے ''نصب الرایہ'' ۴۱۲/۸ امیں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسے اصحاب سنن اربعہ اور امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ''جزء رفع الیدین'' میں ذکر فرمایا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث حسن کو صحیح قرار دیا ہے، شیخ ابن دقیق العید نے اپنی کتاب ''الامام'' میں لکھا ہے کہ میں نے ''علل خلال'' میں یہ دیکھا ہے کہ اسماعیل بن اسحاق ثقفی سے روایت ہے کہ حضرت الامام احمدؒ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جو یہ الفاظ آتے ہیں کہ آپ جب دو سجدوں کے بعد اٹھتے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جب دو رکعتوں کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے تو اس وقت بھی رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

صورت حال جو بھی ہو، یہ امر یقینی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی مخالفت کر ہی نہیں سکتے، جو انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہو اور اگر بالفرض آپ سے عدم رفع الیدین ثابت بھی ہو تو اسے نسیان پر محمول کیا جائے گا۔ امام زیلعی فرماتے ہیں کہ شیخ نے ''الامام'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام عثمان بن سعید دارمی فرماتے ہیں کہ ''واہی طریق سے حضرت علی سے یہ مروی ہے کہ آپ نماز کی صرف تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کرتے اور پھر نہیں کرتے تھے'' مگر یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے فعل رفع الیدین ...... پر اپنے فعل یعنی عدم رفع الیدین کو ترجیح

دی ہو کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو خود یہ روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے اور امام دار قطنی نے جو بات بیان فرمائی ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حسن ظن کے باوصف روایت رفع کو اس روایت کے ضعف کے باوجود ترک مخالفت کی دلیل بنایا ہے، جب کہ مدمقابل نے معاملہ کو اس کے برعکس لیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو نسخ کی دلیل قرار دیا ہے۔"

علامہ زیلعیؒ نے امام ابن دقیق العیدؒ کا امام دار قطنیؒ کے قول پر تبصرہ کے سلسلہ میں یہ قول اسی طرح نقل کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ابو بکر نہشلی کی موقوف روایت سے نسخ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ یہ روایت موقوف ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے، اس سے نسخ ثابت کرنا ایک عجیب و غریب بات ہے واللہ اعلم۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے "کشف الرین" کے ص ۵۷ پر لکھا ہے کہ ان میں سے ایک اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ہے، جسے امام محمدؒ نے اپنے "موطأ" میں اس طرح بیان کیا ہے:

"قال محمد...... ثنا علقمة بن وائل الحضرمی، عن أبيه انه صلى مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأه يرفع يديه اذا كبّر واذا ركع و اذا رفع ، قال ابراهيم: ماأدرى لعله لم يرالنبى صلى الله عليه وسلم يصلى الا ذلك اليوم فحفظ هذا منه، و لم يحفظ ابن مسعود؟ ماسمعته من أحدمنهم انما كانوا يرفعون أيديهم فى بدء الصلاة حين يكبرون"۔

(حضرت وائل حضرمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ

کے ساتھ نماز پڑھی تو دیکھا کہ آپ جب بھی اللہ اکبر کہتے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کیا کرتے تھے، ابراہیم کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو آج ہی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور اس کو یاد کر لیا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے یاد نہ رکھ سکے؟ میں نے بھی یہ بات ان میں سے کسی اور سے نہیں سنی کیونکہ وہ تو صرف نماز کے آغاز میں اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے)

میں اس حدیث کو بھی اور اس کے بارے میں جواب کو بھی پہلے عرض کر آیا ہوں کہ ابراہیم نخعی نے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہی نہیں اور پھر اس کی سند میں ایک راوی محمد بن جابر بھی ہے، جو کہ ضعیف ہے۔

پھر مولانا ٹھٹھوی ؒ نے ''کشف الرین'' کے ص ۵۸ پر لکھا ہے کہ ان میں سے ایک اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہے، جسے امام محمد نے اپنے موطأ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"قال محمد......عن عبدالعزیز بن حکیم قال: رأیت ابن عمر رضی اللہ عنهما أنه یرفع یدیه حذأ أذنیه فی أول تکبیرة افتتاح الصلاة ولم یرفعهما فیما سوی ذلك"

(عبدالعزیز بن حکیم سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ نماز کے آغاز میں پہلی تکبیر کے وقت اپنے دونوں کانوں کے برابر دونوں ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے اور اس کے علاوہ کسی اور جگہ نہیں اٹھاتے تھے)

مولانا ٹھٹھوی نے یہ اثر اسی طرح تحقیق کے بغیر ذکر کیا ہے، تو اس کے بارے میں

میری گزارش یہ ہے کہ:

❶ ایک طویل عرصہ قبل ائمہ نقاد اس اثر کی حقیقت کو بیان فرما چکے ہیں اور وہ یہ کہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن ابان بن صالح قرشی کوفی ہے، جس کے حالات امام ابن ابی حاتمؒ نے ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ ۱۱۱۹ص ۱۹۹/ ۷ میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام یحییٰ بن معینؒ بیان فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، اسی طرح علامہ ذھبیؒ نے ''میزان'' ترجمہ ۷۱۲۸ص ۴۵۳/ ۳ میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤدؒ اور ابن معینؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قوی نہیں ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ مرجیہ میں سے تھا، لسان میں اس کے حالات ساقط ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے یا ناشر کی غلطی کی وجہ سے؟

❷ جہاں تک عبدالعزیز بن حکیم کا تعلق ہے، جنہوں نے کہا کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو یہ نام اس سند میں غلط ہے کیونکہ اصلی نام عبدالعزیز بن حکم ہے، امام ابن ابی حاتمؒ نے ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ ۱۷۷۵ص ۳۷۹۔ ۳۸۰/ ۵ میں اس کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدالعزیز بن حکیم حضرمی کوفی نے زید بن ارقم اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ان سے ابوعوانہ، معتمر بن سلیمان، قاسم بن مالک مزنی اور محمد بن فضیل نے روایت لی ہے، میں نے اپنے والد سے اس طرح سنا ہے، پھر امام ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ ''ہم سے صالح بن احمد بن محمد بن حنبل نے بیان کیا کہ ہم سے علی بن مدینی نے بیان کیا کہ میں نے جریر سے پوچھا کہ آپ نے عبدالعزیز بن حکیم سے کوئی چیز روایت کی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ نہیں جب کہ میرے والد نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن حکیم حضرمی ثقہ ہے لیکن جب میں نے ان سے عبدالعزیز بن حکم کوفی حضرمی کے

بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ قوی نہیں ہے ہاں البتہ اس کی حدیث لکھی جا سکتی ہے۔"

اس راوی کے حالات کو ختم کرتے ہوئے میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ عبدالعزیز بن حکیم کوفی کے بارے میں یہاں امام حافظ ابو حاتم کا قول معتبر ہے کیونکہ انہوں نے ایک ایسی اہم بات بیان کی ہے، جس کے بارے میں امام ابوزکریا یحییٰ بن معین رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مطلع نہیں ہو سکے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اس موقوف اور ضعیف اثر کا تفصیل سے جواب ہم ان شآء اللہ آگے ذکر کریں گے اور بتائیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، جس طرح کہ حضرت الامام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" میں اور دیگر ائمہ کرام نے بھی بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت اس سنت کو کس طرح ترک کر سکتے تھے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ مولانا ٹھٹھوی کو آپ کی اس مرفوع روایت کا علم نہ ہو سکا ہو؟

پھر مولانا ٹھٹھوی نے "کشف الرین" ص ۵۹ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور اثر بھی ہے، جسے امام ابن ابی شیبہؒ نے "مصنف" میں اور امام طحاویؒ نے "شرح معانی الآثار" میں بیان کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ کے الفاظ تو یہ ہیں:

"ثنا ابو بکر بن عیاش، عن حصین، عن مجاهد قال رأيت ابن عمر رضی اللہ عنهما يرفع يديه الا في أول ما يفتتح"

(مجاہد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ آپ رفع الیدین تو کرتے تھے مگر صرف نماز کے شروع میں۔)

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ابوبکر بن عیاش ہی کے طریق سے اس روایت کو امام طحاوی کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے گویا ابوبکر بن ابی شیبہ اور طحاوی کی سند ایک ہی ہے جیسا کہ مخفی نہیں، انہوں نے عدم رفع الیدین کی احادیث کی کثرت ثابت کرنے کے لئے شاید اسے تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے حالانکہ یہ بالکل ایک عجیب وغریب بات ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی کی طرف اس رسالہ ''کشف الرین'' کی نسبت کے بارے میں میرے دل میں یہ شک وشبہہ ہے کہ یہ ان کی تصنیف ہے بھی یا نہیں؟

ابوبکر بن ابی شیبہ اور طحاوی کی اس سند کا انحصار ابوبکر بن عیاش پر ہے۔ حافظ نے ''تقریب'' ترجمہ نمبر ٦٥ میں لکھا ہے کہ یہ کوفی، مقرئ، حناط ہیں، اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ابوبکر ان کی کنیت نہیں بلکہ نام ہے، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام محمد تھا، پھر ان کے بعض شیوخ کے نام لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ثقہ، عابد ہیں لیکن جب بڑی عمر کے ہوئے تو حافظہ خراب ہو گیا تھا ان کی کتاب صحیح ہے، جو ساتویں طبقہ میں شمار ہوتی ہے، ١٩٤ھ میں ان کا انتقال ہوا، یہ سنن اربعہ اور مقدمہ صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

جیسا کہ حافظ نے لکھا ہے، ان کے حال میں بہت تبدیلی اور حافظہ میں بہت خرابی رونما ہوگئی تھی۔ حافظ نے ''تہذیب'' ص ٣٦/١٢ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ امام یحییٰ قطان اور امام علی بن مدینی ان کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے اور وہ یہ کہ بڑی عمر میں جب ان کا حافظہ خراب ہو گیا تو روایت کرتے ہوئے وہم میں مبتلا ہو جاتے تھے اور خطاؤ وہم سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا لہذا جو زیادہ وہم میں مبتلا نہ ہو تو قبول عدالت کے بعد وہ ترک حدیث کا مستحق نہیں ہے، پھر حافظ نے ''مغنی'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے امام احمد سے یہ پوچھا کہ آپ کو ابوبکر بن عیاش

زیادہ پسند ہے یا اسرائیل؟ تو انہوں نے فرمایا اسرائیل، میں نے عرض کیا وہ کیوں؟ تو انہوں نے فرمایا اس لئے کہ ابوبکر بہت ہی زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا ان کی کتابوں میں غلطی تھی؟ فرمایا نہیں جب وہ اپنے حافظہ سے بیان کرتا ہے تو غلطیاں کرتا ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ائمہ محدثین ایک عرصہ دراز ہوا اس تحقیق سے فارغ ہو چکے ہیں کہ ابوبکر بن ابی شیبہ اور طحاوی کی یہ روایت حصین بن عبدالرحمٰن سلمی ابو الھذیل کوفی سے ہے، جس کا حافظہ بھی آخر عمر میں خراب ہو گیا تھا اور پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ان کی یہ روایت شاذ اور غیر محفوظ بھی ہے، علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے اپنی کتاب ''جلاء العینین'' ص ۵۶۔۵۷ میں امام بیہقیؒ کی کتاب ''المعرفۃ'' ص ۲۲۱۔۲۲۲/ا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث ابوبکر بن عیاش کے بارے میں امام بخاریؒ اور دیگر حفاظ نے وہ کلام کیا ہے کہ اگر اس سے استدلال کرنے والوں کو وہ معلوم ہو جائے، تو وہ اس سے استدلال نہ کریں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش نے از حصین از مجاہد از ابن عمر سند سے اس سلسلہ میں جو بیان کیا ہے، مجاہد سے اس کے خلاف مروی ہے جیسا کہ امام وکیع ربیع بن صبیح سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ اہل علم کے نزدیک زیادہ محفوظ روایت ہے، صدقہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے امام مجاہد کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کیا تو اس کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، صدقہ کا یہ اشارہ ابوبکر بن عیاش کی طرف ہے لہٰذا ربیع کی روایت زیادہ بہتر ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ طاؤس، سالم، نافع، ابوزبیر اور محارب بن دثار اور دیگر بہت سے حضرات سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے ''حضرت ابن عمرؓ کو تکبیر تحریمہ، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے

وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا'' امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر بن عیاش اس حدیث کو پہلے ابن مسعود سے مرسل وموقوف بیان کیا کرتے تھے مگر حافظہ میں خرابی کے بعد ان سے اختلاط ہو گیا لہٰذا اس طرح کی ضعیف حدیث کی بنیاد پر نسخ کا دعویٰ کرنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ ہم نے ''جلاء العینین'' کی اس عبارت کو قدرے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، ابن العجمی نے ابو بکر بن عیاش کا اپنی کتاب'' الاغتباط بمعرفة من رمی بالاختلاط'' ص ۲۶ میں بھی ذکر کیا ہے۔

یہ ہیں وہ علل اور امراض جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث یا اثر میں موجود ہیں گویا یہ ایک مقلوب اثر ہے، اس کی سند صحیح نہیں ہے، دراصل یہ اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے اور یہ الگ بات ہے کہ اس کی سند بھی صحیح نہیں کیونکہ ابراہیم نخعی کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی ثابت نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے ''جزء رفع الیدین'' ص ۴۵ میں لکھا ہے کہ یہ اثر جو ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد'' سند سے مروی ہے...... اور اسی اثر کو مولانا تھٹھوی نے بھی یہاں ذکر کیا ہے...... اس کے بارے میں اہل علم سے مروی ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے محفوظ طور پر ثابت نہیں ہے الا یہ کہ ان سے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو جس طرح کہ ہر شخص سے نماز میں کوئی نہ کوئی بھول چوک ہو جاتی ہے، اس طرح حضرات صحابہ کرام سے بھی نماز میں بسا اوقات غلطی ہو جاتی اور وہ دوسری یا تیسری رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے تھے، دیکھئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ تو اس سنت کے اس قدر سختی سے پابند تھے کہ رفع الیدین نہ کرنے والے کو کنکری مارا کرتے تھے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے کو تو ایک ایسا کام کرنے کا حکم دیں اور خود نہ کریں جو کام انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے؟

حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنت نبویہ شریفہ میں مناظرہ کے سلسلہ میں آپ کا علم، آپ کی دسترس اور آپ کا ادب کس قدر بے پناہ ہے۔ دیکھئے یہاں انہوں نے یہ نہیں فرمایا کہ اس اثر کی ابن عمرؓ تک سند صحیح نہیں ہے حالانکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ یہ سند صحیح نہیں ہے لیکن آپ نے یہاں ایک ایسا اسلوب اختیار کیا ہے کہ جس سے حضرت ابن عمرؓ کے اس فعل سے استدلال کرنے والوں کا راستہ ہی بند کر دیا ہے کہ ممکن ہے کہ ان جلیل القدر صحابی سے سہو ونسیان ہو گیا ہو، جس طرح کہ بہت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سہو ونسیان کا صدور ہوا تھا لہٰذا اس دلیل سے جو عدم رفع الیدین کے سلسلہ میں استدلال کرتا ہے، بحث کو طول دے کر میں اسے کسی گرانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا کیونکہ یہ دلیل ہی اس قدر کمزور ہے کہ اس رسالہ کی مولانا ٹھٹھوی کی طرف نسبت کے بارے میں واقعی شبہہ ہونے لگتا ہے جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں میں اپنے اس شبہ کا اظہار کر چکا ہوں۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے اپنے اس رسالہ کے ص ۵۹۔۶۰ پر لکھا ہے کہ امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا، جس کی وجہ سے انہوں نے بھی رفع الیدین کیا لیکن پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد رفع الیدین کو ترک کر دیا تھا۔ یہ تو اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کے نزدیک اس کا منسوخ ہونا ثابت ہو، جسے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہو اور اس کے خلاف ان کے پاس کوئی دلیل موجود ہو۔

مگر میری گزارش یہ ہے کہ میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رفع الیدین کو ترک کیا ہو اور مولانا ٹھٹھوی کی پیش کردہ ان سندوں میں سے

ایک بھی صحیح طور پر ابن عمرؓ تک نہیں پہنچتی اور اگر ہم حضرت ابن عمرؓ کے شاگردوں یعنی ان کبار تابعین کا تذکرہ شروع کر دیں، جنہوں نے آپ سے رفع الیدین کی مرفوع یا موقوف روایات بیان کی ہیں تو سینکڑوں صفحات بھی کافی نہ ہوں گے اور پھر رفع الیدین کی یہ روایات صرف ابن عمرؓ ہی سے تو نہیں بلکہ یہ تو پچاس جلیل القدر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ''فتح الباری'' ۲/۲۲۰ میں اپنے شیخ حافظ عراقی کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۶۰ پر ذکر کیا ہے کہ اس اثر کو ابن الھمام نے ''تحریر الاصول'' میں اور دہلوی نے ''شرح الصراط المستقیم'' میں ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے بارے میں طحاویؒ کی سند صحیح ہے۔''

ابن الھمام سے مراد امام علامہ شیخ محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید بن مسعود کمال بن ھمام الدین ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے ''الضوء اللامع'' ترجمہ نمبر ۳۰۱ ص ۱۲۷۔۸/۱۳۲ میں ان کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ'' امام علامہ اصول ادیان، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، فرائض، حساب، تصوف، نحو، صرف، معانی، بیان، بدیع، منطق، جدل، ادب اور موسیقی کو تو جانتے تھے مگر حدیث شریف کے بارے میں ان کا علم بہت کم تھا۔ ہمارے شیخ حافظ ابن حجر کی بہت عزت کرتے، اپنی تصانیف مثلاً ''شرح ھدایۃ'' وغیرہ میں ان سے نقل کرتے، ان کی حیات میں ان سے روایت کرتے اور ان کی طرف انتساب پر فخر کرتے تھے۔''

علامہ سخاوی نے آپ کی ولادت ۷۹۰ھ میں اور وفات بروز جمعہ ۷ رمضان المبارک ۸۶۱ھ میں بیان کی ہے، اس تفصیل سے ہمارا مقصود علامہ سخاوی کا یہ قول ہے کہ ''حدیث شریف کے بارے میں ان کا علم بہت کم تھا'' اور پھر ابن الھمام کا موسیقی سے شغل بھی ایک بے حد قبیح اور منکر امر ہے۔

یہ حدیث خلق الٰہی کے لئے حجت ہے

جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے ذکر فرمایا ہے کہ حدیث کے اس عظیم الشان باب میں ابن الہمام، حافظ ابن حجرؒ کی طرف رجوع فرمایا کرتے تھے تو آیئے ہم بھی اس سلسلہ میں حافظ کے باب عالی پر دستک دیں، آپ "التلخیص" ص ۲۲۲/۱ میں فرماتے ہیں کہ اس باب میں ابن عمرؓ سے بھی روایت ہے اور پھر وہ اسے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اسے امام بیہقی نے "خلافیات" میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ "روایت مقلوب اور موضوع ہے" اور اس سے پہلے حافظ "تلخیص" حدیث نمبر ۲۲۷ ص ۲۱۸/۱ میں یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ حدیث ابن عمرؓ میں ہے:

" كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلاة ثم قال: و بزيادة و اذا كبر للركوع و إذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك"

(رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں کندھوں کے برابر تک اٹھاتے تھے۔ نیز حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب آپ رکوع جانے کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی اسی طرح رفع الیدین کیا کرتے تھے)

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حافظ فرماتے ہیں کہ امام مدینیؒ نے حدیث زہری عن سالم عن ابیہ کے بارے میں لکھا ہے:

"هذا الحديث عندي حجة على الخلق، كل من سمعه فعليه ان يعمل به لأنه ليس في اسناده شيئ"

(میرے نزدیک یہ حدیث تمام مخلوق کے لئے حجت ہے، ہر وہ شخص

جواس حدیث کو سنے، اس پر فرض ہے کہ وہ اس کے مطابق عمل بھی کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی قابل اعترض چیز نہیں ہے)

اس طرح حافظ نے حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ پر کلام کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے اس حدیث کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ بھی روایت کیا ہے:

"فما زالت تلك صلاته حتى لقى الله"

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی نماز کی یہی کیفیت رہی یعنی آپ رفع الیدین کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے پاس چلے گئے)

یہ ہے تلخیص کے حوالہ سے حافظ صاحب کا کلام اور عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ "ہدایۃ" کی شرح "فتح القدیر" کا وہ قلمی نسخہ ملاحظہ فرمائیں، جو خود امام ابن الھمام کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، تو اس میں بھی حافظ کے حوالہ سے یہ کلام منقول پائیں گے۔ حافظ نے "تلخیص" میں جو یہ لکھا ہے کہ امام بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ فما زالت تلك صلاته حتى لقى الله، تو اس روایت کو علامہ زیلعی نے بھی "نصب الرایۃ" ۴۰۹۔۴۱۰/۱ میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیخ ابن دقیق العید "الامام" میں فرماتے ہیں کہ اس روایت سے رفع الیدین کے منسوخ ہونے کے وہم کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے، جسے امام بیہقی نے سنن میں حسن بن عبداللہ بن حمدان الرقی ...... کی سند کے ساتھ حتّٰی لقی اللہ روایت کیا ہے اور اسے انہوں نے "ابو عبداللہ حافظ، از جعفر بن محمد بن نصر، از عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ھروی، از عبداللہ بن احمد دمجی، از حسن" سند سے بھی روایت کیا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ سند و متن کے مطالعہ کے ساتھ اس روایت کا خوب گہرے تدبر سے جائزہ لیا جائے کیونکہ یہ اس باب میں ایک فیصلہ کن روایت ہے،

اگرچہ معاملہ بالکل صاف اور واضح ہے تاہم سند کی مزید وضاحت کے لئے میں یہاں قدرے تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوتی ہے کہ مجھے اس سند میں ایک شخص کے وجود کے بارے میں شک ہے، جس کا نام عصمۃ بن محمد انصاری ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اول سے آخر تک تمام سند کا جائزہ لیا جائے تا کہ اگر اس میں کوئی شک وشبہ والی بات ہو تو اسے صاف کر دیا جائے اور اس مقصد کے لئے یہ ازبس ضروری ہے کہ علامہ زیلعیؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ''نصب الرایۃ'' کے قلمی نسخہ کو دیکھا جائے کیونکہ ''نصب الرایۃ'' کے محقق نے مقدمہ کتاب میں ان نسخوں کی طرف اشارہ نہیں کیا، جو اس کے پیش نظر تھے اور نہ انہوں نے اس نسخہ کی نشاندہی کی ہے، جس پر انہوں نے اعتماد کیا اور ہوسکتا ہے کہ وہ نسخہ خود علامہ زیلعی کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو، یا ان کے سامنے پڑھا گیا ہو، ان کی طرف سے اس کی توثیق کی گئی ہو اور حسب دستور اس پر دستخط اور مہر ثبت کی گئی ہو تا کہ اس عظیم کتاب میں کسی ایسے شخص کے لئے اپنی طرف سے کچھ داخل کرنا ممکن نہ ہو، جس کے دل میں مرض یا خیانت ہو جیسا کہ سینکڑوں علمی کتابوں میں ایسے لوگوں نے اپنی طرف سے بہت سی باتیں داخل کر دی ہیں لہٰذا اس بات کی تحقیق ایک بہت ضروری امر ہے۔ محقق نے اگرچہ چونسٹھ صفحات پر مشتمل ایک طویل مقدمہ لکھا ہے اور ص ۶۴ پر ان نسخوں کا ذکر بھی کیا ہے، جن سے انہوں نے مدد حاصل کی اور ان میں سے چوتھا نسخہ وہ ہے جو دارالکتب المصریہ میں چھ جلدوں میں موجود ہے، اس نسخہ کی جلد اول اور ششم کی تصحیح حافظ ابن حجرؒ کے قلم سے ہے، محقق نے اس نسخہ کے لئے ''دار'' کی رمز استعمال کی ہے، اس طرح اس کا پانچواں نسخہ بھی دارالکتب المصریہ ہی کا ہے اور یہ تین جلدوں میں ہے، یہ نسخہ بادشاہ ابوالنصر برسبائی نے ۸۲۹ھ میں وقف کیا تھا، ان کے علاوہ باقی تمام نسخے بالکل نئے

ہیں اور محقق نے یہ بھی وضاحت نہیں کی کہ انہوں نے کس نسخہ پر اعتماد کیا ہے؟ تا کہ ہم اس کی طرف رجوع کر سکیں کیوں کہ علامہ زیلعیؒ نے جب "نصب الرایہ" ص ۴۰۹۔۴۱۰/ ا میں یہ روایت ذکر کی تو ابن دقیق العیدؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے وہ وہم زائل ہو جاتا ہے' جسے امام بیہقیؒ نے سنن میں حسن بن عبداللہ بن حمدان رقی کی جہت سے روایت کیا ہے اور پھر انہوں نے سند اور حدیث کے الفاظ کو ذکر کیا ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ امام ابن دقیق العید سے علامہ زیلعی نے جو نقل کیا اور اس پر کوئی تعاقب یا تردید نہیں کی تو علامہ زیلعی کی یہ عادت نہیں ہے کہ اس سند سے سکوت اختیار کریں، جس میں کوئی مرض یا علت وغیرہ ہو جیسا کہ ان کی یہ ایک معروف عادت ہے لیکن یہاں انہوں نے سارا معاملہ ابن دقیق العید کے سپرد کر دیا ہے اور پھر حافظ ابن حجرؒ نے بھی " **التلخیص الحبیر** " ص ۲۱۸/ ا حدیث نمبر ۳۲۷ میں اسے ذکر کیا اور سند پر کوئی تنقید نہیں کی گویا یہ صحیح یا حسن ہے، اسی طرح "الدرایۃ" ص ۱۵۳/ ا میں انہوں نے لکھا ہے کہ امام بیھقی نے اسے بطریق موسیٰ بن عقبہ از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنھما روایت کیا ہے اور پھر حدیث ذکر کی اور یہاں بھی اس کی سند پر کوئی تنقید نہیں کی حالانکہ حافظ کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ اس خطرناک مرض سے سکوت اختیار کریں، جسے "نصب الرایۃ" کے محقق نے حاشیہ میں عصمہ بن محمد انصاری کا ذکر کر کے پیدا کر دیا ہے۔ محقق نے بھی اس مقام پر خاص طویل گفتگو کی ہے۔

دوسری بات یہاں یہ کہی جا سکتی ہے کہ یہ روایت جسے امام بیہقیؒ نے سنن کبریٰ میں روایت کیا ہے، یہ بوقت طبع حذف کر دی گئی اور یہ مخطوطہ میں بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہؒ نے بھی فرمایا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ شیخ نے جو مخطوطہ ملاحظہ فرمایا ہے یہ کس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟ ممکن ہے یہ نیا نسخہ ہو اور وہی

ہو، جس کی بنیاد پر ہندی نسخہ ۱۳۴۴ھ میں طبع ہوا۔ میں نے ''سنن کبریٰ'' ج ا کا جب صفحہ ۴۶۷ ملاحظہ کیا تو اس میں یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی:

ا۔ نسخہ اولیٰ صاحب علم وعرفان مولانا حافظ سید شاہ ابو محبّ اللہ احسان اللہ بن رشد اللہ سندھی کا ہے، جو پیر صاحب آف جھنڈا (نمبر ۵) کے نام سے معروف ہیں۔

یاد رہے حضرت مولانا حافظ سید احسان اللہ صاحب حضرت علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی اور حضرت علامہ شیخ محب اللہ شاہ راشدی کے والد گرامی ہیں، یہ دونوں بھائی بقید حیات ہیں۔ [1] اللہ تعالیٰ عمل صالح کی توفیق کے ساتھ انہیں دراز اور بابرکت عمر عطا فرمائے۔

محقق نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ مدینہ طیبہ علی صاحبہا افضل الصلوات والتحیات کے قدیم نسخہ سے ۱۳۱۷ھ میں نقل کیا گیا ہے اور سندھی نسخہ کا ایک اور نسخہ کے ساتھ جو کہ سید زین العابدین بہاری نزیل حیدر آباد دکن کا تھا، ۱۳۳۵ھ میں مقابلہ کیا گیا جیسا کہ صاحب کتاب نے آخر میں اس کی صراحت کی ہے۔

باقی تمام نسخے جن کا محقق نے ذکر کیا ہے، وہ نئے ہیں، لہٰذا ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں موجود سب سے قدیم نسخہ کا جائزہ لیا جائے، جس کی طرف محقق نے یہ اشارہ نہیں کیا کہ یہ مدینہ منورہ کے کس مکتبہ میں موجود ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ یہ کس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے؟ یہ نسخہ کب لکھا گیا؟ کس نے لکھا؟ کیا وہ ثقہ ہے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ کسی متعصب نے نقل کیا ہو اور اس میں بھی اپنی طرف سے کچھ ایسے ہی داخل کر دیا ہو جیسا کہ داؤد بن سلیمان نقشبندی، ۱۲۹۸ھ نے اپنی طرف سے ظلم، خیانت اور دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابن عماد حنبلیؒ کی کتاب ''شذرات الذہب'' میں ابن عماد کی وفات کے ایک سو تیس سال بعد اپنی طرف سے ابن عربی صوفی کے حالات کا

[1] اب یہ دونوں بھائی اپنے رب تعالیٰ کے حضور جا پہنچے ہیں، رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (مترجم)

اضافہ کر دیا تھا۔

سنن بیہقی میں تحریف

مجھے زبردست شک ہے کہ کچھ متعصب ہاتھوں نے ''سنن کبریٰ'' سے اس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حذف کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ شیخ علامہ بدیع الدین شاہؒ نے ''جلاء العینین'' ص ۱۲۷۔۱۲۹ میں بیہقی کی اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہمیں یہ روایت ''سنن'' کے مطبوع ومخطوط نسخوں اور ''معرفہ'' سے نہیں ملی البتہ یہ ''مختصر الخلافیات'' ج ا ص ۷۶ سے مل گئی ہے اور اس پر دو اعتراض کئے گئے ہیں (۱) عصمہ بن محمد انصاری معروف کذاب ہے اور (۲) عبدالرحمٰن بن قریش پر سلیمانی نے وضع حدیث کا الزام لگایا ہے۔ یعنی بعض متعصب لوگوں نے پہلے تو اپنی خواہش کے مطابق اس روایت میں حذف وتغیر وتبدیلی پیدا کی اور پھر اس کی سند میں ان دو مطعون راویوں کے وجود پر تنقید کی، شیخ ابو محمد بدیع الدینؒ کی اس مقام پر تعلیقات اگرچہ بہت مفید ہیں تاہم میں یہاں ایک اور انداز اختیار کروں گا، شائد اس طرح اس کارنامہ کے سرانجام دینے والے کا کوئی سراغ مل جائے۔

یہ سند جسے امام بیہقیؒ نے بیان کیا ہے، سنن کے ناسخ یا طابع کے مطابق اس طرح ہے:

''حدثنا ابو عبداللّٰه الحافظ، عن جعفر بن محمد بن نصير، عن عبدالرحمٰن بن قريش بن خزيمة الهروى، عن عبداللّٰه بن احمد الدمجى، عن الحسن بن عبداللّٰه بن حمدان الرقى، ثنا عصمة بن محمد الانصارى، ثنا موسى بن عقبة، عن نافع عن ابن عمرأن رسول اللّٰه

صلی اللّٰه علیه وسلم کان اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیه، و اذا رکع، و اذا رفع رأسه من الرکوع، وکان لایفعل، ذلك فی السجود (فما زالت تلك صلاته حتی لقی اللّٰه تعالیٰ)"

ان لوگوں کے نزدیک اس روایت کی سند اور متن اس طرح ہے تو ان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کا متن "کان اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیه" سے لے کر "لا یفعل ذلك فی السجود" تک تو حضرت ابن عمرؓ سے کئی سندوں سے مروی ہے، اسے شیخین اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، اسی طرح یہ الفاظ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیث میں بھی ہیں البتہ جن الفاظ کو سنن کبریٰ میں بیان کرنے میں امام بیہقیؒ منفرد ہیں اور جنہیں سنن کے مخطوط و مطبوع نسخوں سے حذف کر دیا گیا ہے، وہ یہ ہیں کہ "فما زالت تلك صلاته حتی لقی اللّٰه تعالی" (ہمیشہ آپ کی نماز کی یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ اپنے رب تعالیٰ کے پاس چلے گئے) اس روایت کے یہ الفاظ جن پر انہوں نے بزعم خود ضرب کاری لگائی اور پھر یہ کہہ دیا کہ بطریق عصمہ بن محمد انصاری مروی ہیں اور وہ معروف کذاب ہے اسی طرح یہ الفاظ عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ھروی کے طریق سے ہیں، جو انہیں عبدالرحمٰن بن احمد دمجی سے اور وہ حسن مذکور سے روایت کرتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس سند کا مکمل مطالعہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ تعصب کے وہ کون سے مذموم ہاتھ ہیں جنہوں نے اس روایت کے ان زائد الفاظ کو حذف کیا ہے:

❶ حاکمؒ ابو عبداللہ معروف امام اور امام بیہقیؒ کے شیخ ہیں، آپ ثقہ اور عادل امام ہیں۔ علامہ ذھبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں آپ کے حالات بیان کئے ہیں نیز ملاحظہ فرمائیے "سیر أعلام النبلاء" ص ١٦٢/ ١٧۔

❷ جعفر بن محمد بن نصیر، جن کا بیہقیؒ کی روایت میں یہاں نام آیا ہے اور جن

سے امام حاکم نے براہ راست روایت کیا ہے، ان کا امام حاکم کے اساتذہ میں نام نہیں ملتا۔ امام ذھبیؒ نے ''سیر اعلام النبلاء'' ص ۱۶۲، ۱۸۸/ ۱۷ میں امام حاکم کے تفصیل سے حالات ذکر کیئے ہیں لیکن آپ کے اساتذہ میں اس شخص کا ذکر نہیں کیا، جستجو اور تلاش کے باوجود ''سیر اعلام النبلاء'' میں کسی اور جگہ بھی ان کے حالات نہیں ملے البتہ علامہ ذھبیؒ نے ''العبر'' ص ۷۹/ ۲ میں یہ لکھا ہے کہ ۳۴۸ھ میں خلدی ابومحمد جعفر بن محمد بن نصیر بغدادی خلدی، خواص، زاہد، صوفیہ کے شیخ ومحدث کا انتقال ہوا ، اس نے حارث بن ابی اسامہ، علی بن عبدالعزیز بغوی اور ان کے طبقہ سے سنا اور جنید، ابوالحسین نوری اور ابوالعباس بن مسروق کی صحبت اختیار کی، صوفیہ کے علوم، تصانیف اور حکایات کا یہ مرجع تھا، اس نے پچانوے سال عمر پائی اور چھپن حج کیئے، رمضان میں انتقال ہوا، ممکن ہے یہی امام حاکم کے شیخ ہوں اور یہ ان شآ اللہ تعالیٰ ثقہ وماٗمون ہیں۔

❁ عبدالرحمان بن قریش کے حالات کو بیان کرتے ہوئے علامہ خطیب نے اپنی تاریخ ترجمہ نمبر ۵۴۰۰ ص ۲۸۲۔۲۸۳/ ۱۰ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن قریش بن فھیر بن خزیمہ ابونعیم ھروی بغداد میں آئے اور یہاں انہوں نے محمد بن سہل جوزجانی، محمد بن احمد جرجانی اور اصرم بن مالک سے حدیث لی اور پھر ان کے حالات بیان کرنے کے بعد خطیب نے لکھا ہے کہ اس کی حدیث میں غرائب اور تفرادت ہیں لیکن میں نے اس کے بارے میں اچھی بات ہی سنی ہے، پھر انہوں نے اپنی سند کے ساتھ بطریق جعفر بن محمد بن نصیر خلدی،......... حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷛ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار

(جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے، وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں سمجھے)

بہر حال یہ راوی ثقہ ہے اور اس زیادتی میں جسے امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے، اس نے ثقہ راویوں کی مخالفت نہیں کی، یہ الگ بات کہ بعد میں ان زائد الفاظ کو سنن کبریٰ وصغریٰ سے بھی حذف کر دیا گیا البتہ یہ "مختصر الخلافیات" میں اب بھی موجود ہیں۔

❁ عبداللہ بن احمد الدمجی، جس سے عبدالرحمٰن بن قریش نے روایت کیا ہے اور وہ حسن بن عبداللہ بن حمدان رقی سے روایت کرتا ہے، مجھے ان دونوں کے حالات ان مراجع سے نہیں مل سکے جو میرے پاس موجود ہیں لہٰذا ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس من گھڑت سند میں ان دو گمنام راویوں کو فرضی طور پر داخل کیا گیا ہے تاکہ ان زائد الفاظ سے استدلال نہ کیا جا سکے، جنہیں امام بیہقیؒ نے اس حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں روایت کیا ہے۔

عصمہ بن محمد انصاری کے حالات "تاریخ بغداد" ترجمہ ۶۷۲۶ ص ۲۸۶/۱۲ میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ عصمہ بن مخلد بن فضالہ بن محمد بن محمد بن شریک بن جمیح بن مسعود انصاری خزرجی نے موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری، سہیل بن ابی صالح اور عبیداللہ بن عمر عمری سے حدیث لی اور اس سے شعیب بن سلمہ انصاری، محمد بن سعد الکاتب، یعنی کاتب واقدی ...... اور سری بن عاصم نے روایت کیا ہے، پھر خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ان کے طریق سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اذا التقی الختانان فقد وجب الغسل"

(جب مرد وعورت دونوں کے ختنہ کے مقام مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے)

اسے عصمہ بن محمد، ہشام بن عروہ سے روایت کرنے میں متفرد ہے، پھر علامہ خطیب نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ عصمہ بن محمد انصاری بغداد میں مسجد انصار کا امام تھا اور یہ شخص کذاب تھا، جھوٹی احادیث بیان کرتا تھا، میں نے اسے دیکھا ہے پر ہیبت شخصیت کا مالک مگر لوگوں میں یہ سب سے جھوٹا شخص تھا، پھر خطیب نے اپنی ایک اور سند کے ساتھ امام یحیٰ بن معین کا اس کے بارے میں یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''یہ شخص کذاب تھا، حدیث وضع کیا کرتا تھا'' اسی طرح انہوں نے محمد بن سعد کاتب واقدی کا یہ قول بھی بیان کیا ہے کہ عصمہ بن محمد انصاری بغداد میں بڑی مسجد انصار میں امام تھا اور محدثین کے ہاں حدیث میں ضعیف تھا اسی طرح انہوں نے اس کے بارے میں امام دار قطنیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ راوی متروک ہے۔

''تاریخ بغداد'' کے مطبوعہ نسخوں میں ان سندوں کے ساتھ اس کے یہ حالات اسی طرح بیان کئے گئے ہیں، جس سے بیہقیؒ کی سند میں شک ضرور پیدا ہو گیا ہے اور پھر یہ شک اس لئے بھی ہے کہ علامہ خطیب نے عصمہ کی تاریخ ولادت و وفات بیان نہیں کی۔ اگر یہ تاریخیں مذکور ہوتیں تو ان کی روشنی میں ہم موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش سے اس کی روایت کا جائزہ لیتے۔ موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں حافظ فرماتے ہیں کہ یہ مولیٰ آل زبیر ہیں، ثقہ فقیہ اور مغازی کے امام ہیں، پانچویں طبقہ سے ہیں، ۱۴۱ھ میں فوت ہوئے اور محدثین کی ایک جماعت کے رجال میں سے ہیں۔ اسی طرح امام مزی نے بھی ''تہذیب الکمال'' میں یہ ذکر نہیں کیا کہ عصمہ بن محمد انصاری نے ان سے روایت لی ہو، اگرچہ تلامذہ میں عدم ذکر اس بات کی کوئی قطعی دلیل تو نہیں ہے کہ یہ وہی راوی ہے جو بیہقی کی سند میں ہے اور نہ یہ اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ یہ وہ راوی نہیں ہے اور پھر امام ابن حبانؒ نے اپنی کتاب ''المجروحین'' ص

۶۹۔۷۰/۳ میں ایک روایت اس طرح بیان کی ہے:

"اخبرنا ذکریا بن یحییٰ الساجی بالبصرة، قال: حدثنا عصمة بن محمد قال حدثنا العباس بن عبدالعظیم قال حدثنا أبوبکر الأسود قال سمعت بشر بن المفضل یقول قلت لأبی حنیفة: حدثنا شعبة عن هشام بن یزید بن أنس، عن أنس ان یهودیا رضخ رأس جاریة بین حجرین فرضخ رسول الله صلی الله علیه وسلم رأسه بین حجرین قال۔ أی ابو حنیفة...... هذیان"

امید ہے کہ اس سند میں عصمہ بن محمد سے مراد انصاری ہی ہے تاکہ امام ابوحنیفہؒ اس خطرناک طعن سے محفوظ رہ سکیں، لیکن ہمارے سامنے یہاں مشکل زکریا بن یحییٰ ساجی کی وجہ سے ہے، جس کی بارے میں حافظ ''تقریب'' ترجمہ ۵۹ ص ۲۶۲/۱ میں لکھتے ہیں کہ یہ بصری، ثقہ، فقیہ، بارہویں طبقہ سے ہیں، ۳۰۷ھ میں فوت ہوئے اور کتب ستہ میں ان کی کوئی حدیث نہیں ہے، تو سوال یہ ہے کہ اگر ان کی ۳۰۷ھ میں وفات ہوئی جیسا کہ اصحاب تراجم نے لکھا ہے، تو پھر ان کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ کے کسی شاگرد سے روایت کریں۔

اسی طرح امام ابن حبانؒ نے ''کتاب الثقات'' میں ایک اور شخص کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عصمہ بن محمد سرخسی، اہل سرخس کے شیخ اور اصحاب ابی لبید میں سے ہیں، ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کے شہر کے اہل علم نے روایت کیا ہے اور یہ مستقیم الحدیث ہیں (کتاب الثقات ص ۵۲۰/۸)

کتاب الثقات میں ان کا اسی طرح ذکر کیا ہے کہ وہ مستقیم الحدیث ہیں اور وہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں اور ابن حبان کی دوسری کتاب ''المجروحین'' میں ہے کہ وہ عباس بن عبدالعظیم سے روایت کرتے ہیں اور یہ حوالہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور عباس بن عبدالعظیم کے بارے میں حافظ نے تقریب نمبر ۳۱۴۸ص ۳۹۷/۱ میں لکھا ہے کہ عباس بن عبدالعظیم بن اسماعیل عنبری ابوالفضل بصری ثقہ، حافظ اور گیارہویں طبقہ کے کبار لوگوں میں سے ہیں، ۲۴۰ھ میں فوت ہوئے۔ صحیح بخاری کی معلق روایات نیز صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

جب کہ سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے اور وہ آٹھویں طبقہ کے سربر آوردہ لوگوں اور محدثین کی ایک جماعت کے رجال میں سے ہیں جیسا کہ حافظ نے تقریب ۳۱۲/۱ میں لکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصمہ بن محمد نام کے دو راوی ہیں، جن میں سے ایک انصاری ہیں اور گمان کرنے والوں نے ان کے بارے میں بیان کیا ہے کہ یہ موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ سے روایت کرتے ہیں اور دوسرا سرخسی ہے، جو عباس بن عبدالعظیم عنبری المتوفی ۲۴۰ھ سے روایت کرتا ہے اور اسی کو ابن حبان نے کتاب الثقات میں مستقیم الحدیث قرار دیا ہے لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دقت نظر سے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ سنن کبریٰ کا وہ مخطوطہ کون سا ہے، جو تسلیم شدہ شروط کے مطابق اس قابل ہے کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے، اسی طرح ''نصب الرایۃ'' اور امام ابن دقیق العید کی کتاب ''الامام'' کے نسخہ کا تعین کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس سے بھی علامہ زیلعی نے نقل کیا ہے اور پھر اس پر تعاقب بھی نہیں کیا، اسی طرح حافظ نے بھی ''الدرایۃ'' میں موسیٰ بن عقبہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو براہ راست ذکر کیا اور اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا۔ شیخ بدیع الدینؒ نے مولانا ظفر احمد تھانوی کی کتاب ''انہأ السکن'' ص ۲۴ کے حوالہ

سے ذکر کیا ہے کہ حافظ کا تلخیص میں اس حدیث پر سکوت اس کے صحیح یا حسن ہونے کی دلیل ہے، جس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ اس کی سند میں وہ کذاب راوی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ ہے، جسے ابن حبان نے ذکر کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ حدیث جرح شدید سے محفوظ ہوگئی ہے اور یہ راوی اگرچہ اہل سرخس میں سے ہے لیکن اس کے انصار میں سے ہونے میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہوسکتا۔

ہمیں اس بات کی کوئی ضرورت بھی نہیں کہ یہ راوی انصاری ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ''تاریخ بغداد'' میں یہ نسبت نساخ یا ناشرین کی طرف سے بڑھائی گئی ہو کیونکہ میں بہت سے ایسے امور سے آگاہ ہوں، جن کی وجہ سے ''تاریخ بغداد'' کے اس نسخہ پر بھی قطعی اعتماد نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بہت سے تراجم میں اسقاط، تغیر و تبدل اور خیانت سے کام لیا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ''تاریخ بغداد'' کے اس قلمی نسخہ کی طرف رجوع کیا جائے جو ترکی کے ''مکتبہ طبقبوا'' میں موجود ہے اور جس کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ ایک قدیمی نسخہ ہے، لیڈن یونیورسٹی کی لائبریری میں ہالینڈ کے ایک شخص نے مجھے اس نسخہ کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ علامہ خطیب بغدادیؒ کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے واللہ اعلم اور اگر واقعی یہ نسخہ علامہ بغدادی کے اپنے ہاتھ کا ہے تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ اور اس کی طرف سے فتح اکبر پر اس کا شکر بجالانا چاہیے کہ ہماری عظیم اسلامی میراث کا یہ ایک نادر نسخہ موجود ہے۔
اب میں پھر اپنے اصل موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔

امام ابنِ ابی شیبہ اور احادیثِ رفع الیدین

مولانا ٹھٹھوی نے اپنے رسالہ کے ص ۶۰ پر لکھا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ اور ان سے روایت کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ جن لوگوں سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت عدم رفع الیدین ثابت ہے، ان میں اصحاب علی ﷜ اصحاب

ابن مسعودؓ، ابراہیم نخعی، خیثمہ، قیس، ابن ابی لیلیٰ، مجاہد، اسود، شعبی اور ابواسحاق بھی ہیں اور پھر انہوں نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور کئی دیگر ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب اس قول کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے ''مصنف'' ص۲۳۴۔۲۳۶/۱ میں پہلے ایک باب کا عنوان اس طرح قائم کیا ہے:

"مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ"

(جو نماز کو شروع کرتے ہوئے رفع الیدین کرتا ہے)

مطبوعہ نسخہ میں یہ عنوان اسی طرح ہے اور پھر اس باب کے تحت انہوں نے حضرت ابن عمرؓ تک سندوں کے ساتھ یہ حدیث بیان کی ہے:

"اَنَّهُ رأَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَكَعَ وَبَعْدَ مَا يَرْفَعُ"

(انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز کو شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے)

اس باب کے تحت امام ابن ابی شیبہؒ نے بارہ صحیح سندوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نماز کو شروع کرتے وقت، رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور باب (ص۲۳۶۔۲۳۷/۱) قائم کیا ہے، جس کا عنوان یہ ہے:

"مَنْ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ"

(جو شخص صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتا ہے اور پھر نہیں کرتا)

اس باب کے تحت انہوں نے گیارہ سندوں سے اس مفہوم کی حدیث بیان کی ہے لیکن ان میں سے مرفوع سندوں میں سے اکثر صحیح نہیں ہیں۔ مثلاً حدیث براٗ بن عازب کہ نقاد حدیث کے حوالہ سے اس کا جواب لکھ چکا ہوں، مرفوع احادیث کے علاوہ باقی مراسیل ہیں اوران میں سے بھی اکثر صحیح نہیں ہیں اور اگر ان کی نسبت صحیح بھی ثابت ہوتو پھر بھی عدم رفع الیدین کے سلسلہ میں یہ حجت نہیں ہیں کیونکہ یہ غیر معصوم لوگ تھے، ان تک رسول اللہ ﷺ کی یہ سنت صحیحہ نہیں پہنچی ہوگی، البتہ انہیں اجتہاد کا اجر ضرور ملے گا اوران کی خطأ ان شاء اللہ قابل معافی ہوگی اور امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے اگر ان مراسیل کو بیان کیا ہے تو نماز کے ان مقامات میں رفع الیدین کے بارے میں وہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور مرفوع احادیث بھی تو بیان فرما چکے ہیں پھر مولانا ٹھٹھوی سے ہم یہ بھی کہیں گے کہ ان تمام حضرات کے بارے میں بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے صحیح احادیث کے مطابق عمل کیا تھا۔

امام بیہقیؒ اور احادیث رفع الیدین

امام بیہقیؒ سنن کبریٰ ۷۴-۷۵/۲ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں سترہ حضرات صحابہ کرام ؓ کے بارے میں یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ رکوع کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں (۱) ابوقتادہ انصاری (۲) ابواسید ساعدی بدری (۳) محمد بن مسلم بدری (۴) سھل بن سعد ساعدی (۵) عبداللہ بن عمر بن خطاب (۶) عبداللہ بن عباس (۷) انس بن مالک خادم رسول اللہ ﷺ (۸) ابوہریرہ دوسی (۹) عبداللہ بن عمرو بن عاص (۱۰) عبداللہ بن زبیر بن عوام قرشی (۱۱) وائل بن حجر حضرمی (۱۲) مالک بن حویرث (۱۳) ابوموسی اشعری (۱۴) ابوحمید ساعدی انصاری رضی اللہ عنہم پھر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ان سے بھی روایت پہنچی ہے اوران کے علاوہ درج

ذیل حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی (۱۵) حضرت ابوبکر صدیق (۱۶) حضرت عمر بن خطاب (۱۷) حضرت علی بن ابی طالب (۱۸) جابر بن عبداللہ انصاری (۱۹) عقبہ بن عامر جہنی اور (۲۰) عبداللہ بن جابر بیاضی۔ **رضوان علیهم اجمعین**

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ ایک عظیم الشان جماعت ہے جس سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین ثابت ہے نامعلوم مولانا ٹھٹھوی کا اس عظیم الشان جماعت کے مقابلہ میں کیا موقف ہوگا؟

پھر امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ان سے نماز میں رفع الیدین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "یہ ایک ایسی چیز ہے، جس سے آدمی اپنی نماز کو مزین کر لیتا ہے" رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کے آغاز میں، رکوع کو جاتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے"۔

پھر امام بیہقیؒ نے اپنی سند کے ساتھ سنن کبریٰ ۲/۷۵ میں حضرت الامام محمد بن اسماعیل بخاریؒ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ مصر، حجاز، عراق، شام، بصرہ اور یمن کے بہت سے اہل علم سے یہ مروی ہے کہ وہ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے، ان میں سے (۱) سعید بن جبیر (۲) عطاءً بن ابی رباح (۳) مجاہد بن جبر مکی (۴) قاسم بن محمد (۵) سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب (۶) عمر بن عبدالعزیز (۷) نعمان بن ابی العیاش (۸) حسن بصری (۹) ابن سیرین (۱۰) طاؤس (۱۱) مکحول شامی (۱۲) عبداللہ بن دینار (۱۳) نافع مولیٰ ابن عمر (۱۴) عبیداللہ بن عمر (۱۵) حسن بن مسلم (۱۶) قیس بن سعد رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ ایک دکثیر کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ پھر امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ۱) ابوقلابہ (۱۸) ابوزبیر (۱۹) امام مالک بن انس (۲۰) اوزاعی (۲۱) لیث بن

سعد (۲۲) ابن عیینہ (۲۳) امام شافعی (۲۴) اسحاق بن ابراہیم حنظلی (۲۵) یحییٰ بن سعید قطان (۲۶) عبدالرحمٰن بن مہدی (۲۷) عبداللہ بن مبارک (۲۸) یحییٰ بن یحییٰ (۲۹) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم کے بارے میں بھی یہ روایت پہنچی ہے کہ یہ تمام حضرات رفع الیدین کیا کرتے تھے بلکہ میں تو یہ گزارش کروں گا کہ تمام کے تمام محدثین رفع الیدین کیا کرتے تھے۔

میں کلام کو بہت زیادہ طول دے کر برادران احناف کو کسی گرانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا لہٰذا میں انہیں دعوت دوں گا کہ وہ اس موضوع کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے خود ہی سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے مصادر و مآخذ کی طرف رجوع کریں، جو ہمارے پاس بحمداللہ کثرت سے موجود ہیں، ساری حقیقت حال ان کی آنکھوں کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

رفع الیدین تواتر سے ثابت ہے

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' ص ۶۱ فصل دوم میں لکھا ہے کہ اس فصل میں ہم یہ بتائیں گے کہ ان مذکورہ دونوں حالتوں میں اثبات کی احادیث پر نفی رفع الیدین کی احادیث کو ترجیح دینے کے لئے احناف نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب اثبات و نفی دونوں طرف کی احادیث موجود تھیں تو امام ابوحنیفہؒ نے بوجوہ جانب نہی کو ترجیح دی ہے، مولانا ٹھٹھوی کا یہی کہنا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے نفی کو ترجیح دی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ کس نے روایت کیا ہے کہ امام صاحب نے یہ ترجیح دی ہے؟ اگر اسے صاحبین قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے روایت کیا ہے تو وہ تو رفع الیدین کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے اپنے رسالہ ''نیل الفرقدین فی رفع الیدین'' ص ۲۲ مطبوعہ ۱۳۵۰ھ میں لکھا ہے کہ ''رفع الیدین'' اسناداً اور عملاً تواتر سے ثابت ہے، اس میں نہ کوئی شک ہے اور نہ اس کا کوئی

حرف منسوخ ہے۔ البتہ افضلیت میں کلام ضرور ہے۔

ترک رفع الیدین ہرگز ثابت نہیں

لیکن میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ عدم رفع الیدین ہرگز ہرگز ثابت نہیں، نہ خبر واحد سے اور نہ تواتر سے، پھر علامہ کشمیری کہتے ہیں کہ اگرچہ ترک رفع الیدین کی احادیث قلیل ہیں تاہم یہ بھی بلاشبہ ثابت ہیں اور اہل کوفہ کے ہاں یہ اسناداً نہ سہی عملاً متواتر ہیں لیکن گزارش یہ ہے کہ صحیح اور متواتر نص کی موجودگی میں عمل اہل کوفہ حجت نہیں ہے جیسا کہ علامہ کشمیری نے بھی لکھا ہے اور پھر تمام اہل کوفہ کا بھی عدم رفع الیدین پر اجماع نہیں ہے بلکہ عدم رفع الیدین کے قائل اہل کوفہ میں سے بھی بہت کم لوگ ہیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن عبدالہادیؒ نے ''تنقیح التحقیق'' ص ۶۹ ۷/۲ میں رفع الیدین کرنے والے بہت سے حضرات صحابہ کرام ؓ کے اسماء گرامی لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ کسی بھی ایک صحابی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے رفع الیدین نہ کیا ہو بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو اگر کسی کو رفع الیدین نہ کرتے ہوئے دیکھتے تو اسے کنکری مارتے تا کہ اسے یہ یاددہانی کرائیں کہ وہ رفع الیدین کے ساتھ نماز ادا کرے۔ ''تنقیح التحقیق'' ص ۶۷ ۷۔ ۹ ۷/۲ کا یہ مقام ضرور مطالعہ فرمائیں، بہت خوب ہے۔

احناف کے ہاں ترجیح کے اسباب اور ان کا جواب

پھر مولانا ٹھٹھوی ص ۶۱ پر عدم رفع الیدین کی احادیث کو ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ترجیح کے حسب ذیل اسباب ہیں:

۱۔ محرم اور مباح جب جمع ہوں تو غلبہ حرام کو دیا جاتا ہے۔

۲۔ نماز میں اصل سکون ووقار ہے لہٰذا وہ تمام حرکات جو نماز میں سکون ووقار کے منافی ہوں گی، اگر احادیث واردہ ان سے متعارض نہ ہوں تو ان کے مطابق عمل

کیا جائے گا اور اگر متعارض ہوں تو اس کے مثل اصل کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔

یہ دونوں وجہیں ایسی ہیں کہ نقل صحیح تو کجا عقل سلیم سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اور میرے خیال میں مولانا ٹھٹھوی ایسی بات لکھ بھی نہیں سکتے کیوں کہ اس صورت میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کیا رفع الیدین کرنا حرام اور نہ کرنا مباح ہے کہ مباح کو حرام سے مقدم قرار دیا جائے؟ اور پھر انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ نماز میں اصل سکون و وقار ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ نماز وتر میں اس سکون و وقار کے منافی حرکت کیوں؟ رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے اور وتر کی تیسری رکعت میں قرأت سے فراغت کے بعد رفع الیدین کرنے میں کیا فرق ہے؟

مولانا ٹھٹھوی نے ص ۶۲ پر ترجیح کا تیسرا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابو بکر بن عیاش نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے کئی سال اور ایک روایت میں ہے کہ دس سال نماز پڑھی ہے اور آپ صرف تکبیر اولیٰ کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے اور اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں اللہ کی قسم! اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے اور اس کا تفصیل سے جواب ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ اس کے بعد مولانا ٹھٹھوی نے لکھا ہے کہ اصل میں یہ بات طے شدہ ہے کہ صحابی کا عمل اگر اپنی روایت کے خلاف ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت منسوخ ہے۔

اس کا جواب بھی یہ ہے کہ نہیں اللہ کی قسم یہ ہرگز اصول نہیں ہے جیسا کہ مجاہد کی ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز ادا کرنے والی یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے، جس میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدیؒ "جلاء العینین" ص ۵۶۔۵۷ میں امام بیہقیؒ کی کتاب "معرفۃ" ص ۲۲۱۔۲۲۲/۲ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ابو بکر بن عیاش کی اس حدیث

کے بارے میں حضرت الامام بخاریؒ اور دیگر حفاظ نے وہ کلام کیا ہے کہ اس سے استدلال کرنے والے کو اگر معلوم ہو جائے تو وہ اس روایت سے اس کے خلاف ثابت شدہ چیز پر استدلال نہ کرے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن عیاش نے حصین کے حوالہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جو کہا ہے، مجاہد نے اس کے خلاف روایت کیا ہے، وکیع فرماتے ہیں کہ ربیع بن صبیح سے روایت ہے کہ میں نے مجاہد کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے، ابن مہدی نے بھی ربیع سے روایت کیا ہے کہ میں نے دیکھا کہ مجاہد رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ جریر، لیث سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ اہل علم کے نزدیک یہی روایت زیادہ محفوظ ہے۔ صدقہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے یہ حدیث مجاہد روایت کی ہے کہ وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے تھے، اس کا آخر عمر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا، ان کا یہ اشارہ ابوبکر بن عیاش کی طرف ہے۔ ربیع اور لیث نے جو روایت کیا ہے نیز طاؤس، سالم، نافع، ابوزبیر، محارب بن دثار اور دیگر بہت سے راویوں نے جو روایت کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا ہے کہ آپ اللہ اکبر کہتے ہوئے، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں ابوبکر اسے از حصین از ابراہیم از ابن مسعود مرسل موقوف روایت کیا کرتا تھا لیکن حافظہ کی خرابی کے بعد جب اختلاط ہو گیا، تو اس نے اس طرح روایت کرنا شروع کر دیا، جس کی دیگر راویوں نے مخالفت کی ہے لہٰذا اس طرح کی ضعیف حدیث کی بنیاد پر حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ علامہ شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے امام بیہقی کی کتاب ''معرفہ'' سے یہ عبارت نقل کر کے دعویٰ نسخ کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۶۲ پر لکھا ہے کہ علامہ قسطلانی نے شرح البخاری میں لکھا ہے کہ ابوبکر بن عیاش ضعیف ہے اور پھر انہوں نے اس پر خود ہی یہ تعاقب کیا ہے کہ ابوبکر کو ضعیف کہنے والا قول خود ضعیف ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس کی توثیق کی اور اس کی احادیث کو بیان کیا ہے نیز اصحاب سنن اربعہ نے بھی اس کی احادیث کو بیان کیا ہے اور صحیحین کے راویوں کے بارے میں جرح نا قابل التفات ہے اور پھر حفاظ نے اس کی تعریف کی ہے مثلاً ثوری، ابن مبارک اور ابن مہدی اس کی تعریف کرتے تھے، امام احمدؒ نے اسے صدوق اور یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ قرار دیا ہے۔''

مولانا ٹھٹھوی کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ امام بخاریؒ و مسلمؒ نے صحیحین میں ابوبکر بن عیاش کی حدیث کو نہیں لیا البتہ اصحاب سنن اربعہ نے ان سے روایت کو لیا ہے۔ امام مسلمؒ نے مقدمہ صحیح میں اس کی روایت کو دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر بطور استشہاد لیا ہے، جب کہ اصل کتاب میں ان سے ایک روایت بھی نہیں لی، امام بخاریؒ اور دیگر تمام ائمہ نے ان کی عدالت پر تو نہیں لیکن ان کے حافظہ پر ضرور کلام کیا ہے۔ حافظؒ نے ''تہذیب'' ص ۱۲/۳۶ میں ابن حبانؒ سے نقل کیا ہے کہ یہ راوی عباد و حفاظ اور متقنین میں سے تھا لیکن یحییٰ قطانؒ اور علی بن مدینیؒ کی رائے اس کے بارے میں اچھی نہیں ہے کیونکہ بڑی عمر میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا، روایت کرتے ہوئے وہم کا شکار ہو جاتا تھا اور وہم کی حالت میں خطاء سے بچنا بہت مشکل ہے۔ البتہ جس کا وہم و خطأ زیادہ نہ ہو وہ ترکِ حدیث کا مستحق نہیں ہے بشرطیکہ عادل ہو۔''

رواۃ حدیث کے بارے میں عدل و انصاف یہی ہے مثلاً دیکھئے ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہیں، جن کے بارے میں علامہ ذہبیؒ نے ''میزان'' میں لکھا

ہے کہ از راہ کرامت ان کی قبر سے عنبر نکلتا تھا، لیکن وفات سے قبل محدثین نے ان کی روایت کو ترک کر دیا تھا کیونکہ آخر عمر میں حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ان سے اختلاط ہو جاتا تھا اور بڑی عمر میں ان کا حال بدل گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ٹھٹھوی نے ان امور کو پیش نظر نہیں رکھا یا پھر یہ کلام ہی ان کی طرف غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

پھر مولانا ٹھٹھوی کہتے ہیں کہ ترجیح کا چوتھا سبب یہ ہے کہ اثباتِ رفع الیدین کی احادیث میں سے حدیث ابن عمر اور ترکِ رفع الیدین کی احادیث میں سے حدیث ابن مسعود سب سے زیادہ قوی ہے لہٰذا امام ابوحنیفہؒ نے حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح دی ہے کیونکہ خلفاء راشدین کے بعد وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے زیادہ فقیہ ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کا اصل میں قاعدہ یہ ہے کہ وہ زیادہ فقیہ کی روایت کو زیادہ متقی کی روایت پر ترجیح دیتے ہیں اور ان دونوں میں تطبیق بھی ظاہر ہے کیونکہ دونوں مذکورہ صحابی اگرچہ فقہ و ورع کے جامع ہیں لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ "اَفقہ" اور ابن عمر رضی اللہ عنہ "اَوْرَع" ہیں اور امام ابوحنیفہؒ سے یہ مروی ہے جیسا کہ ابن الہمام نے بھی ذکر کیا ہے کہ افقہَ کی روایت کو اَوْرَع کی روایت پر ترجیح دی جائے گی۔"

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف عدم رفع الیدین کی یہ روایت جو منسوب کی گئی ہے، یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ امام ابوداوٗدؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور دیگر بہت سے نقادِ سنت اور حماۃ حدیث کے حوالہ سے قبل ازیں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں لہٰذا اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور جہاں تک ابن الہمام کے حوالہ کا تعلق ہے تو وہ تو بہت متاخر ہیں حتیٰ کہ انہوں نے تو حافظ ابن حجرؒ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

پھر مولانا ٹھٹھوی ص ۶۴ پر لکھتے ہیں کہ امام ابن عیینہؒ نے بیان کیا ہے کہ امام ابو

حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ مکہ مکرمہ میں دارالحناطین میں جمع ہوئے تو امام اوزاعیؒ نے کہا کہ کوفہ والو! کیا بات ہے تم رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا اس لئے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔ امام اوزاعیؒ نے جواب دیا کیوں ثابت نہیں ہے جب کہ مجھ سے امام زہری نے بیان کیا انہوں نے سالم سے اور انہوں نے اپنے والد سے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے وقت، رکوع کو جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا کہ ہم سے حماد نے ابراہیم سے، انہوں نے علقمہ و اسود سے اور انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ صرف نماز کے شروع میں رفع الیدین کیا کرتے تھے اور پھر نہیں کرتے تھے۔ امام اوزاعیؒ نے جواب دیا کہ میں امام زہریؒ، سالمؒ اور ان کے والد کے حوالہ سے بیان کر رہا ہوں اور آپ حماد اور ابراہیم کے حوالہ سے بیان کر رہے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے جواب دیا حماد زہریؒ سے زیادہ فقیہ ہے اور ابراہیمؒ سالمؒ سے زیادہ فقیہ ہے اور علقمہ بھی فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں ہے اگرچہ ابن عمر کو شرف صحبت حاصل ہے لیکن اسود کو بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے اور پھر عبداللہ تو عبداللہ ہیں۔ ابن الہمام رقمطراز ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے رواۃ کی فقاہت کی وجہ سے ترجیح دی جب کہ امام اوزاعی نے علو اسناد کی بنیاد پر ترجیح دی تھی اور ہمارے نزدیک مذہب منصور یہی ہے کہ رواۃ کو فقاہت کی بنیاد پر ترجیح دی جائے گی۔''

مولانا ٹھٹھوی نے ابن الہمام کے حوالہ سے یہ کلام نقل کیا ہے، ابن الہمام کے حالات کی طرف ہم قبل ازیں اشارہ کر آئے ہیں، یہ حافظ ابن حجر کے شاگرد ہیں، ان پر فخر کرتے ہیں اور اپنی کتابوں میں ان سے نقل کرتے ہیں اور اگر یہ مناظرہ اسی

طرح ثابت بھی ہو جیسا کہ مولانا ٹھٹھوی نے بیان کیا ہے تو پھر بھی یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے اور صحیح ہو بھی کیسے جب کہ یہ مناظرہ صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے؟

اس مناظرہ کو شیخ موفق بن احمد مکی متوفی ۵۶۸ھ نے ''مناقب ابی حنیفۃ'' ص ۱۱۳۔۱۱۴/۱ (دارالکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۱ھ) میں ذکر کیا ہے نیز اسے شیخ ابو المؤید خوارزمی نے ''جامع مسانید الامام ابی حنیفہ'' ص ۳۵۲۔۳۵۳/۱ میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اسے ابو محمد بخاری نے محمد بن ابراہیم بن زیاد رازی سے اور انہوں نے سلیمان شاذکونی سے روایت کیا ہے کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا، اس کے بعد خوارزمی نے سکوت اختیار کیا ہے اور اس کی سند کے درجہ کو بیان نہیں کیا۔

یہ ایک سو فیصد جھوٹا مناظرہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ حافظ نے ''لسان'' ترجمہ ۱۴۱۶ ص ۳۴۸۔۳۴۹/۳ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن محمد بن یعقوب حارثی، بخاری فقیہ جو کہ استاذ کے نام سے معروف ہیں، ان سے ابو عبداللہ بن مندہ نے کثرت سے روایت لی ہے، ان کی کئی تصانیف بھی ہیں۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ ابو سعید نے کہا کہ اس راوی پر وضع حدیث کا الزام ہے۔ احمد سلیمانی کا قول ہے کہ یہ ایک سند کو دوسرے متن کے ساتھ اور ایک متن کو دوسری سند کے ساتھ اپنی طرف سے ملا دیا کرتا تھا اور یہ بھی وضع کی ایک قسم ہے، حمزہ سہمی کا قول ہے کہ میں نے امام ابو زرعہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ضعیف ہے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے عجیب و غریب اور متفرد روایات بیان کرتا ہے۔ خطیب فرماتے ہیں کہ یہ نا قابل استدلال ہے، خلیلی کا قول ہے کہ یہ استاذ کے نام سے معروف ہے، اس فن میں اسے معرفت حاصل ہے لیکن لین ہونے کی وجہ سے محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، ملاحمی،

اور احمد بن محمد بصیر نے اس کے حوالہ سے ہمیں عجیب وغریب روایات بیان کی ہیں امام ذھبی فرماتے ہیں کہ یہ عبیداللہ بن واصل، محمد بن علی صائغ اور عبدالرحمٰن بن فضل بلخی سے روایت کرتا ہے اور ان سے اس کا سماع ۲۸۵ھ سے پہلے یا بعد ہے اور ۸۱ برس کی عمر میں ۳۴۵ھ میں اس کا انتقال ہوا، اس نے امام ابوحنیفہؒ کے نام سے ایک مسند بھی جمع کی ہے۔

یہ ہے اس راوی کے بارے میں علامہ ذھبی کا ''میزان'' میں اور حافظ کا ''لسان'' میں تبصرہ اور پھر علامہ خلیلی نے بھی لکھا ہے کہ یہ راوی مدلس تھا اور علامہ خطیب (۹۵) بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ عجیب وغریب اور منکر روایات بیان کرتا تھا اور حجت نہیں تھا ملاحظہ فرمایئے تاریخ بغداد ترجمہ ۲۵۶۲ ص ۱۲۶۔۱۲۷/۱۰ پر خطیب نے اپنی سند کے ساتھ ان کے بیٹے کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ان کی ولادت بروز بدھ یکم ربیع الآخر ۲۵۸ھ میں اور وفات جمعہ کی رات ۵ شوال ۳۴۰ھ میں ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ یہ شخص مسند امام ابوحنیفہؒ کا راوی اور جامع کس طرح ہوسکتا ہے جب کہ امام صاحب اس سے بہت پہلے ہوئے ہیں جیسا کہ کسی سے بھی یہ مخفی نہیں ہے۔ بہرحال اس کی اس مسند کا خوارزمی نے بھی ذکر کیا ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جاچکا ہے۔

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ یہ ہے وہ راوی جس کے طریق سے امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی کے درمیان یہ مناظرہ مروی ہے اور یہ بالکل جھوٹا مناظرہ ہے، جسے غلط طور پر دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے واللہ اعلم۔

اگر بالفرض یہ مناظرہ ثابت بھی ہو تو پھر بھی امام ابوحنیفہؒ نے ابن مسعودؓ کی روایت کو جو ترجیح دی ہے تو اس کے لئے یہ حجت نہیں اور اس کے اسباب حسب ذیل ہیں:

❶ اس سند میں علقمہ واسود کو ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان داخل کرنا ایک بے حد منکر اور قبیح امر ہے اور سند کی اس کیفیت کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اس سند کو حارثی نے اپنی طرف سے وضع کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مناظرہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔

❷ سوال یہ ہے کہ اس مناظرہ کے بغیر مستقل طور پر اس روایت کو کس نے بیان کیا ہے، میرے خیال میں اسے کسی نے بھی بیان نہیں کیا، علامہ طحاویؒ نے بھی اسے شرح معانی الآثار یا اپنی کسی اور کتاب میں بیان نہیں کیا۔

❸ مناظرہ کے متن کا بھی بغور جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ یہ مناظرہ علم اور عقل کے منافی ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی شان سے بھی یہ بات بعید ہے۔ کہ وہ علقمہ کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ترجیح دیں۔ واللہ اعلم

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۶۰ پر لکھا ہے کہ رفع الیدین کے قائل شافعیہ نے رفع الیدین کی احادیث کو حسب ذیل اسباب کی وجہ سے ترجیح دی ہے کہ:

اثبات رفع الیدین کی احادیث نفی کی نسبت زیادہ ہیں اور کثیر کے مقابلہ میں قلیل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، پھر اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا ٹھٹھوی نے لکھا ہے کہ نہیں بات اس طرح نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک کثرت باعث ترجیح نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ گواہوں کی کثرت کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی مثلاً ایک مدعی اگر دو گواہ پیش کرے اور دوسرا دس یا اس سے بھی زیادہ گواہ پیش کرے تو دونوں برابر ہوں گے، اس طرح وہ حکم جو ایک آیت یا دو آیتوں میں وارد ہو اور وہ خبر جو ایک یا دو نبیوں سے مروی ہو اسی طرح ہوگی جو زیادہ آیتوں میں ہو یا زیادہ نبیوں سے مروی ہو، یہی وجہ ہے کہ ابن الہمام نے ''تحریر الاصول'' میں یہ لکھا ہے کہ دو متعارض حکموں میں سے ایک کو کثرت دلائل کی بنیاد پر ترجیح دینا باطل ہے۔

مولانا ٹھٹھوی نے شافعیہ کو یہ اس طرح جواب دیا ہے، میرے خیال میں مولانا نے یہ جواب اس عبارت میں نہیں دیا ہوگا، جو یہاں لکھی گئی ہے کیونکہ یہ ایک بے حد کمزور عبارت ہے اور پھر ان لوگوں کے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ یہ اپنے مذہب کو ایسی ترجیحات کے ساتھ ترجیح دیں جو عقل ونقل اور عرف وشریعت کے خلاف ہیں۔ مولانا ٹھٹھوی کے اس جواب کا مفہوم تو یہ ہے کہ اگر احادیث متواترہ متکلم فیہ اخبار آحاد کے معارض ہوں تو وہ ساقط ہو جائیں گی اور اس میں ترجیح باطل ہوگی۔ پھر یہ لوگ صحیح احادیث کو باطل قرار دینے کے لئے قیاس، فکر اور رائے سے بھی کام لیتے ہیں گویا احادیث صحیحہ کی ان کے ہاں کوئی قدر وقیمت نہیں جیسا کہ احادیث رفع الیدین متواتر ہیں۔ جب کہ عدم رفع الیدین کی روایات حتیٰ کہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی صحیح نہیں ہے حالانکہ یہ حنفیہ کی اس مسئلہ میں سب سے بہترین دلیل ہے مگر اس روایت کا جو حال ہے۔ وہ آپ نقاد حدیث اور حماۃ سنت محدثین کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام احمدؒ، دار قطنیؒ، ابو داوٗدؒ، حافظ ابن حجرؒ، نوویؒ، بغویؒ اور متقدمین میں سے امام بخاریؒ وعلی بن مدینیؒ کے حوالہ سے پہلے پڑھ آئے ہیں۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے شافعیہ کے اسباب ترجیح میں سے، اس سبب کہ ''اثبات نفی سے مقدم ہوتا ہے'' کا یہ جواب دیا ہے کہ ہاں اثبات نفی سے مقدم ہوتا ہے لیکن یہ اس صورت میں جب نفی علم راوی کا احاطہ نہ کرتی ہو اور اگر وہ علم راوی کا احاطہ کئے ہوئے ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر اثبات ونفی برابر ہوتے ہیں۔ ابن مسعودؓ بلا شک و شبہہ سابقین اسلام میں سے ہیں، ہر وقت صحبت نبوی میں رہتے اور شاذ ونادر ہی علیحدگی اختیار کرتے تھے حتیٰ کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ اہل بیت ہی میں سے ہیں، نماز پنجگانہ میں آپ کی اقتداء بھی کرتے تھے لہٰذا ان کا علم اس نفی کا احاطہ کیوں نہیں کرسکتا؟

شافعیہ، حنابلہ، صحیح ترین قول کے مطابق امام مالک اور تمام اہل حدیث حضرات نے اثبات رفع الیدین کی روایت کو جو ترجیح دی ہے تو اس کا مولانا ٹھٹھوی نے یہ جواب دیا ہے، جو آپ نے ملاحظہ فرمایا مگر اس سلسلہ میں ہماری گزارشات حسب ذیل ہیں:

❶ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہی نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عدم رفع الیدین کو روایت کیا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے لہٰذا اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔

❷ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوعاً یا موقوفاً ثابت بھی ہو تو پچاس دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے بھی تو ہیں، جنہوں نے یہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کیا کرتے تھے اور پھر ان جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں تو ان کی احادیث تو لفظی و معنوی تواتر کے ساتھ ثابت ہونے کی وجہ سے حجت قاطعہ، برہان ساطعہ اور ناقابل تردید دلیل ہیں، جب کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوع یا موقوف صحیح سند سے ثابت ہی نہیں ہے؟

❸ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو تطبیق کے بھی قائل تھے، انہیں اس کے خلاف صحیح سنت نہیں پہنچی، جس کی وجہ سے وہ اپنی وفات یعنی ۳۶ھ تک تطبیق ہی پر عمل کرتے رہے لہٰذا احناف کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے قاعدہ و اصول کے مطابق ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل تطبیق پر بھی عمل کریں۔

❹ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اتباع رسول ﷺ میں سب لوگوں سے بڑھے ہوئے تھے، اتباع سنت میں سب سے آگے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب تھے، آپ کی بہن حضرت حفصہ ام المؤمنین ہونے کی وجہ سے کاشانۂ نبوت میں جلوہ افروز تھیں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہ بھائی ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں

حاضر رہتے لہذا انہیں تو ان حالات و واقعات کے دیکھنے کے مواقع بھی میسر آئے، جو ابن مسعود ﷜ کو میسر نہ تھے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کو سبھی جانتے بوجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

۵ اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے سارے علم کا احاطہ ہوتا، تو آپ نماز میں تطبیق کے قائل نہ ہوتے، جو کہ منسوخ ہو گئی تھی اور نہ آپ یہ کہتے کہ معوذتین قرآن مجید کی سورتیں نہیں ہیں، آپ ان باتوں کو بھول گئے تھے مگر اس پر کوئی تعجب کا اظہار نہ کیا گیا، اسی طرح آپ یہ بھی بھول گئے تھے کہ نبی ﷺ نے عرفہ کے دن نمازوں کو کس طرح جمع کیا تھا، آپ یہ بھی بھول گئے کہ حالت سجدہ میں نبی ﷺ کہنی اور بازو کو زمین پر کس طرح رکھا کرتے تھے نیز آپ یہ بھی بھول گئے کہ نبی اکرم ﷺ ارشاد باری تعالیٰ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ کی کس طرح قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اگر ابن مسعود ﷜ ان ساری باتوں کو بھول سکتے ہیں جو دیگر تمام صحابہ کرام ﷢ کو یاد تھیں تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سارے علم کا احاطہ کئے ہوئے تھے؟

رفع الیدین کی روایات صحیحین کی ہیں

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۴۷ پر رفع الیدین کے قائل حضرات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ اثبات کی احادیث کو نفی پر ترجیح دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اثبات رفع الیدین کی بعض احادیث تو صحیحین میں بھی موجود ہیں جب کہ نفی رفع الیدین کی کوئی حدیث صحیحین میں موجود نہیں ہے اور صحیحین کی احادیث دیگر کتب کی احادیث سے زیادہ صحیح ہیں تو اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا ٹھٹھوی لکھتے ہیں کہ نفی کی احادیث اگرچہ صحیحین میں نہیں ہیں لیکن ان میں سے بعض صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں اور ابن الھمام نے ''تحریر الاصول'' میں لکھا ہے کہ یہ کہنا کہ جو روایت صحیحین میں ہو وہ اس

روایت پر راجح ہے، جو انہی رجال سے صحیحین کے علاوہ دیگر کتب میں ہو یا جو صحیحین کی شرط کے مطابق ہو تو امام کے ثقہ اور مخرج کی صحت کے باوجود صحیحین کی روایت کو ترجیح دینا محض تحکم ہے۔

مولانا ٹھٹھوی کا پھسپھسا جواب

یہ ہے مولانا ٹھٹھوی کا جواب مگر اس جواب میں جو ضعف اور حق وصواب سے بُعد ہے، وہ کسی سے بھی مخفی نہیں کیونکہ نفی رفع الیدین کے سلسلہ میں تو کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں، خواہ وہ کسی بھی صحابی سے مروی ہو جو کہ صحیح ہو جیسا کہ تفصیل کے ساتھ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تحکم نہیں جیسا کہ مولانا ٹھٹھوی نے ''صاحب التیسیر شرح التحریر'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے، بلکہ ظاہر امر یہ ہے کہ یہ تحکم ان کی طرف سے ہے جو ضعیف اور موضوع روایات کو صحیحین کی روایت پر ترجیح دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

مولانا ٹھٹھوی کے اس جواب کو تو احناف کے ائمہ کبار نے بھی پسند نہیں کیا چہ جائے کہ اسے شافعیہ، حنابلہ، مالکیہ اور دیگر بے شمار ائمہ حدیث وسنت پسند کریں کیوں کہ نفی رفع الیدین کی کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہو اور بالفرض اگر کوئی ایک روایت بھی ایسی ہوتی تو پھر بھی بوقت تعارض احادیث شیخین ہی کو ترجیح حاصل تھی مگر اس بات پر تو تمام سلف و خلف محدثین اہل سنت کا اجماع ہے کہ نفی رفع الیدین کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس ترجیح کے بارے میں ہم حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہوگا کہ ہم اس ترجیح کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہمارے نزدیک یہ اقسام ترجیح میں سے نہیں ہے بلکہ اسباب ترجیح تو وہ ہیں، جو ہم نے قبل ازیں بیان

کیئے ہیں اور اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کسی روایت کا صحیحین میں یا ان میں سے کسی ایک میں ہونا اس روایت پر ترجیح رکھتا ہے، جو صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہو تو بہر حال یہ ایک ترجیح ہے اور سابقہ چار اسباب ترجیح اس کے معارض ہیں اور تعارض کی وجہ سے ترجیح کو لغو قرار دے دیا جاتا ہے جیسا کہ اصول میں طے شدہ ہے اور پھر ترجیح کے سلسلہ میں حنفیہ کثرت کے بھی قائل ہیں، اگرچہ اصول میں کثرت کو وہ قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ لیکن یہ ساری باتیں تو اس صورت میں قابل تسلیم ہوں گی، جب نفی کی احادیث صحیح ہوں گی لیکن امام ابوداؤد نے بطریق محمد بن ابی لیلیٰ، حدیث براء بن عازب کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

بہر حال مولانا ٹھٹھوی نے مذہب عدم رفع الیدین کی تیسری وجہ ترجیح کا جو جواب دیا ہے، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ نفی رفع الیدین کی احادیث جن کی اسانید اور متون پر سلف وخلف محدثین وفقہاء نے کلام کیا ہے حتیٰ کہ ان میں خود قدیم وجدید ائمہ احناف مثلاً امام زیلعی، مولانا عبدالحی لکھنوی، مولانا انور شاہ کشمیری اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں...... کے مقابلہ میں مولانا ٹھٹھوی نے رفع الیدین کے اثبات کی متواتر، مشہور اور عزیز تمام احادیث کا انکار کر دیا ہے نیز انہوں نے عدم رفع الیدین کی ترجیح کے جو اسباب بیان کیئے ہیں، ان سب کا بھی میں اپنے اپنے مقام پر قبل ازیں جواب لکھ آیا ہوں، یہ الگ بات ہے کہ مولانا ٹھٹھوی کے یہ اسباب ترجیح دلائل پر مبنی نہیں ہیں۔

پھر مولانا ٹھٹھوی رفع الیدین کے قائلین کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ جرح غیر مفسر ہے اور جرح غیر مفسر محدثین کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ جرح مفسر ہے کیونکہ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام ابوداؤدؒ نے محمد بن ابی لیلیٰ کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن اسے صیغہ کان کے ساتھ ذکر کیا ہے، جس

سے یہ جرح مفسر نہ ہوئی اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ یہ جرح مفسر ہے اور اس سے محمد بن ابی لیلیٰ کا ضعف ثابت ہوتا ہے تو اس حدیث کے کتنے ہی طرق ایسے ہیں جن مین ابن ابی لیلیٰ کا قطعاً ذکر نہیں ہے اور اس کے بجائے عبدالرحمٰن ہے اور عبدالرحمٰن ثقہ، امام اور جلیل القدر حافظ ہے ہاں محمد محدثین کے ہاں ضعیف ہے تو ہم نے اس حدیث کو ان تمام اسانید کی بنیاد پر صحیح قرار دیا ہے، جن میں محمد مذکور نہیں ہے۔

یہ ہے مولانا ٹھٹھوی کا جواب محمد بن ابی لیلیٰ پر جرح کے بارے میں کہ پہلے تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ جرح مفسر نہیں ہے اور پھر کہا کہ اگر اسے مفسر مان بھی لیا جائے تو بہت سی صحیح احادیث ایسی ہیں، جن میں محمد کے بجائے اس کا بھائی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے علامہ زیلعی کے ''نصب الرایۃ'' کی طرف توجہ مبذول کروائیں گے کہ اس میں عبدالرحمٰن پر اس قدر شدید طعن کیا گیا ہے کہ اس کی اس روایت کو قطعاً صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا، جو اس سے یزید بن ابی زیاد ہاشمی نے روایت کی ہے۔ حافظ نے تقریب ترجمہ ۲۵۴ ص ۳۶۵/۲ میں لکھا ہے کہ یہ ان کا مولیٰ کوفی ضعیف ہے، بڑی عمر میں اس کے حافظہ میں خرابی پیدا ہو گئی تھی، اسے لقمہ دیا جاتا تھا، شیعہ تھا، پانچویں طبقہ میں سے تھا، ۱۳۶ھ میں فوت ہوا۔ یہ بخاری کی معلق روایات اور مسلم کے راویوں میں سے ہے۔

اس سند کا دارومدار گویا اسی راوی پر ہے اور یہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کرتا ہے۔ حافظ نے اس کے بارے میں تقریب ترجمہ ۱۰۹۴ ص ۴۹۶/۱ میں لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہے، دوسرے طبقہ سے ہے، حضرت عمرؓ سے اس کے سماع کے بارے میں اختلاف ہے، واقعہ جماجم ۳۶ھ میں فوت ہوا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ غرق

ہونے سے فوت ہوا اور یہ محدثین کی ایک جماعت کے راویوں میں سے ہے۔

اس سے یزید بن ابی زیاد ہاشمی مذکور روایت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ زیلعی نے ''نصب الرایہ'' ۴۰۲/۱ میں امام بیہقی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ میں نے امام حاکم سے سنا کہ یزید بن ابی زیاد حافظہ میں مشہور تھا لیکن بڑی عمر میں اس کا حافظہ خراب ہوگیا تھا جس کی وجہ سے یہ اسانید کو بدل دیتا، متون میں اضافہ کر دیتا اور تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ پھر امام حاکم نے لکھا ہے کہ امام بیہقی نے امام احمد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ حدیث واہی ہے کیونکہ یزید بن ابی زیاد ایک عرصہ تک اسے بیان کرتے رہے اور اس میں ''ثم لا یعود'' کے الفاظ ذکر نہیں کرتے تھے لیکن جب انہیں لقمہ دیا جاتا تو وہ ان الفاظ کو لے لیتے تھے۔ شیخ ابن دقیق العید فرماتے ہیں کہ یزید بن ابی زیاد کا اہلِ صدق میں شمار ہوتا ہے، یہ کوفی ہے، ابو عبداللہ اس کی کنیت ہے۔ ابو الحارث قروی نے ابو الحسن کا قول ذکر کیا ہے کہ یزید بن ابی زیاد جید الحدیث ہے۔ امام مسلم نے صحیح کے مقدمہ میں ایک قسم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ستر وصدق اور علمی شغف ان لوگوں کو شامل ہے مثلاً عطاءً بن سائب، یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ روایت ابراہیم بن بشار کی اس راویت کے معارض بھی ہے، جسے انہوں نے سفیان سے اور انہوں نے مکہ میں یزید بن ابی زیاد سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے براء بن عازب ﷛ سے سنی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب نماز کو شروع فرماتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کو جانے کا ارادہ کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت بھی رفع الیدین کرتے تھے۔ سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں کوفہ میں آیا تو میں نے انہیں یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ آپ نماز کے شروع کرتے وقت رفع

الیدین کرتے اور پھر نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے مجھے یہ گمان ہوا کہ کوفیوں نے یہ الفاظ ان کے منہ میں ڈال دیئے ہیں، اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور ان سے امام بیہقی نے، امام حاکم فرماتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ متن اس اضافہ کے ساتھ ابراہیم بن بشار کے علاوہ کسی اور نے بھی سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہو اور وہ ثقہ اور اصحاب ابن عیینہ کے طبقہ میں سے ہے، چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک یہ ابن عیینہ کے ہم نشین رہے، امام بخاری نے ان سے اپنی کتاب ''جزء رفع الیدین ''میں'' حدثنا الحمیدی ، ثنا سفیان عن یزید بن ابی زیاد ''سند کے ساتھ اسی طرح روایت کیا ہے، جس طرح حاکم کی روایت کے الفاظ ہیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان حفاظ نے بھی، جنہوں نے زمانہ قدیم میں یزید سے اس روایت کو سنا تھا، اسی طرح روایت کیا ہے، ان میں شعبہ، ثوری اور زہیر جیسے حفاظ بھی ہیں اور ان میں سے کسی کی روایت میں بھی یہ الفاظ نہیں کہ ''ثم لا یعود'' (پھر اس کے بعد آپ رفع الیدین نہیں کیا کرتے تھے)

یہ ہے امام ابن دقیق العید کا اپنی کتاب ''الامام'' میں کلام، جسے علامہ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' میں بھی ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی تعاقب نہیں کیا اور پھر زیلعی نے ان کا یہ کلام بھی نقل کیا ہے کہ امام ابن حبان نے ''کتاب الضعفاً ''میں لکھا ہے کہ یزید بن ابی زیادہ صدوق تھا لیکن بڑی عمر میں ان کے حافظہ میں خرابی آ گئی تھی، جس کی وجہ سے جب ان کے منہ میں کوئی بات ڈالی جاتی تو اسے لے لیتے تھے لہٰذا جن لوگوں نے ان سے پہلی عمر میں کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے سماع کیا ہے تو ان کا سماع صحیح ہے اور جن لوگوں نے کوفہ میں آخری بار آمد پر ان سے سماع کیا ہے، ان کے سماع کی کوئی حیثیت نہیں۔

علامہ زیلعی نے ابن دقیق العید کی بے حد اہم اور نفیس کتاب ''الامام'' سے یہ

عبارت کسی تبصرہ کے بغیر نقل کی ہے، اسی طرح امام ابن حبان کی کتاب ''المجروحین'' ص ۹۹۔۱۰۱/۳ میں بھی یہ عبارت بعینہ موجود ہے، پھر امام ابن حبان نے اپنی سند کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا افتتح الصلاۃ رفع یدیہ (میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کرتے تھے) بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام سفیان فرماتے ہیں کہ یزید جب کوفہ آئے تو میں نے انہیں یہ حدیث اس اضافہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے سنا کہ ''**ثم لم یعد**'' تو اس سے مجھے یہ گمان ہوا کہ کوفیوں نے یہ الفاظ ان کے منہ میں ڈال دیئے ہیں، پھر امام ابن حبان نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ نفی رفع الیدین کے سلسلہ میں اہل کوفہ نے اس روایت پر انحصار کیا ہے لیکن دراصل اس روایت میں **ثم لم یعد** کے الفاظ نہیں ہیں، اہل کوفہ نے یزید بن ابی زیاد کی آخری عمر میں ان الفاظ کا اضافہ کر کے ان کے منہ میں ڈال دیا تھا جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ نے بھی فرمایا ہے کہ انہوں نے زمانہ قدیم میں مکہ مکرمہ میں ان الفاظ کے بغیر اس حدیث کو یزید سے سنا ہے لہٰذا ایسی روایت سے صرف وہی استدلال کر سکتا ہے، جس کا علم سے کوئی تعلق نہ ہو کیونکہ اہل علم کے لئے تو اس طرح کی موضوع روایت سے استدلال جائز نہیں ہے۔ غور فرمایئے کہ ہمارے محدثین عظام و نقاد و حماۃ سنت نے کس طرح دقت نظر کے ساتھ علم، نقل، ضبط، سماع، روایت اور درایت کے تقاضوں کو پورا کیا، انہوں نے اپنی زندگیوں کو اور زندگی کی تمام سرگرمیوں کو وقف کر دیا تھا کہ کذاب و وضاع اور اہل غفلت ونسیان کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب جھوٹ کو صاف کر دیں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے قواعد سنت کو منضبط کیا، اس کے لئے ایک عظیم الشان نظام وضع کیا اور ایسے شاندار اور جاندار اصول وضع کئے کہ کسی کے لئے

بھی اس عظیم الشان اور زندہ جاوید میراث نبوی میں نقب لگانے کی گنجائش نہیں جیسا کہ حضرت الامام بخاریؒ نے بھی ''جزء رفع الیدین'' ۲۲۔۹۹ میں فرمایا ہے۔ اس مقام پر علامہ شیخ پیر سید بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے بھی مصادر کثیرہ ومراجع عدیدہ کے حوالہ سے ایک بہت ہی مفید اور پراز معلومات حاشیہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔

پھر مولانا ٹھٹھوی ص ۷۰ پر مذہب عدم رفع الیدین کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں سے کچھ احادیث صحیحین یا ان میں سے کسی ایک کی شرط کے مطابق ہیں خصوصاً عبدالرزاق کی سند کے بارے میں یہ حکم لگایا گیا ہے کہ یہ صحیح بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق ہے اور اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف اور متفرد ہے تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ علامہ عینی نے شرح البخاری میں ذکر کیا ہے کہ اس یزید کو عجلی، یعقوب بن سفیان، احمد بن صالح، ساجی اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، امام مسلم اور ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں اس کی حدیث کو بیان کیا ہے اور پھر یزید متفرد بھی نہیں ہے کیونکہ اسے عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے بھی ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔

مولانا ٹھٹھوی کا یہ کلام مکرر ہے لہٰذا اس کے جواب کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہم یہاں صرف اس قدر عرض کریں گے کہ یزید اگرچہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اس کے حافظہ میں خرابی پیدا ہو گئی تھی جیسا کہ ہم قبل ازیں امام ابن دقیق العید، حاکم، ابن حبان اور دیگر نقاد سنت کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں البتہ یہاں مولانا ٹھٹھوی نے جو نئی بات کی ہے، وہ یہ کہ یزید اس روایت میں متفرد نہیں ہے بلکہ اسے عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نے بھی ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے۔

اس سلسلہ میں میرا جواب یہ ہے کہ عدم رفع الیدین کے قائل حضرات کے

لئے یہ روایت قطعاً مفید نہیں ہے، جسے ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوداؤد نے سنن میں، طحاوی نے ''شرح معانی الآثار'' میں اور امام بیہقی نے ''سنن کبریٰ'' اور ''معرفۃ'' میں معلقاً ذکر کیا ہے جیسا کہ حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی نے ''جلاء العینین'' ص ۹۹۔۱۰۰ میں یہ سارے حوالہ جات ذکر کیے ہیں، ان سب نے اسے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہی کے طریق سے بیان کیا ہے۔ امام ابوداؤد نے سنن حدیث ۷۵۲ ص ۲۰۰/ا میں اس حدیث کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

''حدثنا حسین بن عبدالرحمن" اخبرنا وکیع، عن ابن ابی لیلیٰ...... هو محمد بن عبدالرحمٰن عن اخیه عیسیٰ، عن الحکم، عن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ عن البراء بن عازب قال: رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رفع یدیه حین افتتح الصلاة ثم لم یرفعهما حتی انصرف۔''

(حضرت براء بن عازب ﷛ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کیا اور پھر نہ کیا حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو گئے۔)

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے'' مولانا ٹھٹھوی نے اس حدیث کا حوالہ تو دیا مگر اس کے بارے میں امام ابوداؤدؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، تو اس کا انہوں نے ذکر نہیں فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے براہ راست ''سنن ابی داؤد'' سے اس حدیث کو نقل نہیں کیا بلکہ کسی ثانوی مأخذ سے لیا ہے واللہ اعلم۔

پھر مولانا ٹھٹھوی ص ۷۱ پر لکھتے ہیں کہ جس طرح امام ابوداؤد وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے، اسی طرح امام حاکم نے بھی اسے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے اور

حافظ ''تہذیب التہذیب'' میں فرماتے ہیں کہ اس یزید کی روایت کو امام مسلم نے اور امام بخاریؒ نے بھی معلقاً لیا ہے، امام مسلم مقدمہ صحیح میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں.......... (امام مسلم کا قول پیچھے گزر چکا ہے) بہرحال اگر یہ راوی صحیحین کے رجال میں سے ہے، تو اس پر جرح کرنے والے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔

مولانا ٹھٹھوی نے حافظ ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے اور اس سے پہلے آپ مقدمہ صحیح مسلم کے حوالہ سے ان لوگوں کے بارے میں بھی ذکر کر آئے ہیں، جن کے حافظہ میں خرابی اور حالت میں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی، مولانا نے جو یہ لکھا ہے کہ یزید بن ابی زیاد ہاشمی کوفی صحیحین کے رجال میں سے ہے تو نہیں واللہ یہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ حافظ نے ''تہذیب'' ترجمہ ۶۳۰ ص ۳۲۹۔۳۳۱/۱ میں لکھا ہے کہ نضر بن شمیل نے امام شعبہ سے روایت کیا ہے کہ یہ راوی موقوف و مرسل اشیاء کو مرفوع روایت کے طور پر بیان کیا کرتا تھا، علی بن منذر، ابن فضیل سے روایت کرتے ہیں کہ یہ شیعہ کے کبار ائمہ میں سے تھا۔ عبداللہ اپنے والد گرامی امام احمد سے روایت کرتے ہیں کہ اس کی حدیث حجت نہیں اور کبھی یہ فرماتے کہ یہ شخص حافظ نہیں ہے۔ امام دارمی، ابن معین کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ قوی نہیں اور امام ابویعلی موصلی، ابن معین کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، پھر حافظ نے اس کے بارے میں اور بھی بہت اقوال ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی حدیث کو تو لکھا جائے گا مگر متفرد ہونے کی صورت میں یہ ناقابل استدلال ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا ٹھٹھوی نے جو لکھا ہے، وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ انہوں نے متأخر مصادر سے اس راوی کی تعدیل نقل کی ہے اور حافظ کی ''تہذیب'' کی طرف رجوع نہیں کیا۔ یاد رہے حافظ نے یہ کلام امام ابن ابی حاتم کی کتاب ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ ۱۱۱۴ ص ۲۶۰/۹ کے حوالہ سے نقل کیا ہے لہٰذا اس مقام پر آپ

"الجرح والتعدیل" کی طرف بھی رجوع فرمائیے، اس سے آپ کو بہت سے روشن حقائق اور صحیح اور ثقہ حالات معلوم ہوں گے۔

مولانا ٹھٹھوی نے جو یہ کہا ہے کہ اسی طرح اس روایت کو امام حاکم نے بھی ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے، جس طرح کہ امام ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ الخ

جہاں تک امام حاکم کی "مستدرک" میں روایت کا تعلق ہے، تو اسے امام بیہقی نے بھی "سنن کبریٰ" ص ۷۷۔۲/۷۸ میں بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ خبر ہمیں ابوعبداللہ حاکم نے دی، پھر انہوں نے اسناد کو تحویل کے ساتھ ذکر کیا ہے، پھر حدیث کے الفاظ ذکر کئے ہیں اور پھر کہا ہے کہ شیخ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے اپنے بھائی عیسیٰ سے بھی روایت کیا ہے اور انہوں نے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے اور انہوں نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ثم لا یعود" ایک قول یہ ہے کہ یہ الفاظ محمد بن عبدالرحمٰن نے حکم سے اور انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کیے ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ الفاظ یزید بن ابی زیاد سے اور انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کئے ہیں اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حدیث نا قابل استدلال ہے کیونکہ علم حدیث جاننے والوں کے نزدیک وہ یزید بن ابی زیاد سے بھی بدتر ہے نیز اس روایت کو عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے کسی ایسے راوی نے روایت نہیں کیا جو یزید سے زیادہ قوی ہو۔

دیکھئے یہ ہیں ائمہ حدیث کے ارشادات یزید بن ابی زیاد کی حدیث کے بارے میں اور جس نے یزید سے اسے روایت کیا ہے تو اس نے اس کی حالت میں تبدیلی اور حافظہ میں خرابی رونما ہونے کے بعد روایت کیا ہے اور عیسیٰ بن عبدلرحمٰن سے اسے ان کے بھائی محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بھی روایت کیا ہے لہٰذا اس حدیث کا انحصار اسی پر ہے لہٰذا مولانا ٹھٹھوی کے لئے اس متابعت کے پیش کرنے میں کوئی

فائدہ نہیں۔ پھر مولانا ٹھٹھوی نے ص ۲۷۔۳۷ پر یہ لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ امام ترمذیؒ نے حدیث ابن مسعود ﷜ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے انہوں نے اسے صحیح قرار نہیں دیا تو تم اسے صحیح کس طرح قرار دے سکتے ہو؟ اس کا مولانا ٹھٹھوی نے جواب یہ دیا ہے کہ حدیث ابن مسعودؓ صحت کے اعتبار سے صحیحین کی شرط کے مطابق ہے، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی جو سند بیان کی ہے، وہ مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے، امام ترمذی حسن کا لفظ صحیح کے مقابلہ میں استعمال نہیں کرتے بلکہ وہ اس سے زیادہ عام معنوں میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث کے بارے میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ''یہ حدیث حسن صحیح ہے'' چنانچہ امام ترمذیؒ نے خود اپنی کتاب کے آخر میں فرمایا ہے کہ ''اپنی اس کتاب میں جس حدیث کے بارے میں ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، تو ہماری اس سے مراد ہر وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب نہ ہو، وہ کئی ایک سندوں سے مروی ہو اور شاذ نہ ہو تو ہمارے نزدیک وہ حدیث حسن ہے''۔

مولانا ٹھٹھوی کی مداہنت

مولانا ٹھٹھوی نے یہاں یہ حوالہ تو دیا کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے مگر یہاں یہ بھول گئے کہ امام ابوداؤد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے نیز وہ اس حدیث کے بارے میں ابن مبارک، امام احمد، امام بخاری اور امام بیہقی جیسے جلیل القدر محدثین کے اقوال بھی بھول گئے، جہاں تک امام ترمذیؒ کا تعلق ہے، تو تمام محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ترمذی نیز امام حاکم وابن حبان حدیث کو صحیح وحسن قرار دینے میں بہت متساہل ہیں، بہرحال جلیل القدر محدثین نے حدیث ابن مسعود ﷜ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ان بے شمار اور ان گنت محدثین کی جرح کے مقابلہ میں امام ترمذی کی تحسین پر

اعتماد کرنا جائز نہیں، پھر مولانا ٹھٹھوی ص ۲۷۔۲۷ پر امام ترمذیؒ کے اس قول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بات مخفی نہ رہے کہ یہ تفسیر صحیح کو بھی شامل ہے کیونکہ ائمہ حدیث نے یہ صراحت کی ہے کہ امام ترمذی اپنی اس اصطلاح میں جمہور محدثین کے مخالف ہیں لہٰذا اگر وہ کسی حدیث پر حسن ہونے کا حکم لگاتے ہیں، تو یہ اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں ہے مگر امام ترمذی کے قول کے مقابلہ میں ابن مبارک کا جو یہ قول ہے کہ حدیث ابن مسعود ثابت نہیں ہے، تو یہ جرح غیر مفسر ہے اور قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جرح غیر مفسر مقبول نہیں ہوتی۔

مولانا ٹھٹھوی کا گمان یہ ہے کہ ابن مبارک کا قول نا قابل قبول ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ جرح غیر مفسر ہے لیکن اس روایت کو تو امام ابن ابی حاتم نے بھی ''علل'' حدیث ۲۵۸ ص ۹۶/ا میں ضعیف قرار دیا ہے، عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ غلط ہے، کہا جاتا ہے کہ اس حدیث میں ثوری کو وہم ہوا اور عاصم سے ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان سب نے یہ بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز شروع کی، اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، پھر رکوع کیا اور تطبیق کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں میں رکھ لیا اور ان میں سے کسی نے بھی یہ الفاظ بیان نہیں کئے جو ثوری نے بیان کئے ہیں۔

اس متن کے بیان کرنے میں گویا امام سفیان بن سعید ثوریؒ سے وہم ہو گیا ہے جیسا کہ امام ابوداودؒ نے سنن میں، ابن مبارکؒ، امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کے علاوہ کئی ایک محدثین نے اس کی صراحت فرمائی ہے لہٰذا یہ حدیث ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ابن مبارکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث

ثابت نہیں ہے یعنی جس حدیث پر احناف نے اعتماد کیا ہے، پھر امام ترمذیؒ نے ابن مبارکؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے صرف پہلی مرتبہ ہی ''رفع الیدین'' کیا اور حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے رکوع کرتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دو رکعتوں کے بعد اٹھتے وقت رفع الیدین کیا تھا، اسے امام دار قطنیؒ اور بیہقیؒ نے اپنے اپنے سنن میں اور منذریؒ نے مختصر سنن میں بھی روایت کیا ہے، ابن مبارک کے علاوہ دیگر راویوں نے یہ بھی کہا ہے کہ عبداللہ بن اسودؒ نے علقمہؒ سے نہیں سنا، علامہ زیلعیؒ نے ''نصب الرایۃ'' ۳۹۴۔۳۹۵/۱ میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ ان کا یہ قول میں قبل ازیں بیان کر آیا ہوں۔

مولانا ٹھٹھویؒ نے ص ۴۷ پر لکھا ہے کہ فیروز آبادی نے ''صراط مستقیم'' میں مذکورہ دونوں حالتوں میں اثبات رفع الیدین پر کلام کرنے کے بعد لکھا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث تواتر سے ثابت ہیں، ان کی تعداد چار سو ہے اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں، ان روایات کو بیان کرنے والوں میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں، آنحضرت ﷺ بھی ساری زندگی رفع الیدین ہی کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے، جب کہ عدم رفع الیدین کی حدیث آنحضرت ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔''

مولانا ٹھٹھویؒ نے صاحب قاموس علامہ محمد بن یعقوبؒ فیروز آبادی شیرازیؒ شافعی مجدد الدینؒ ابو طاہرؒ المولود ۷۲۹ھ اور المتوفی ۸۱۷ھ کے اس کلام کو نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ یہ کلام افراط عظیم اور جرأت جسیم پر مشتمل ہے کیونکہ اثبات رفع الیدین کے سلسلہ میں چار سو صحیح احادیث ثابت نہیں ہیں۔ بلکہ ایک سو یا پچاس یا چالیس یا پندرہ بھی صحیح ثابت نہیں ہیں۔ علامہ سیوطی نے جو کہ فیروز آبادی سے حدیث کو زیادہ جانتے ہیں اور خاتمۃ المحدثین کے لقب سے معروف ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ رفع الیدین کی احادیث تیئیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں لیکن

علامہ سیوطی نے یہ نہیں کہا کہ ان صحابہ کرام ﷺ سے مروی یہ تمام احادیث صحیح ہیں بلکہ ان میں سے صحیح تو صرف چھ یا سات کے قریب ہیں، جو شخص زیادہ احادیث کے صحیح ہونے کا مدعی ہو تو اسے اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرنی چاہئے کیونکہ دلیل کے بغیر تو کوئی بھی دعویٰ قابل سماعت نہیں ہوتا اور پھر یہ جو چھ یا سات احادیث ہیں، وہ بھی کلام سے خالی نہیں ہیں، ان کی اسانید وغیرہ کے بارے میں بھی محدثین نے بہت کلام کیا ہے، جو کہ فن حدیث سے واقفیت رکھنے والوں سے مخفی نہیں ہے۔ اسی طرح فیروز آبادی نے عشرہ مبشرہ کے حوالے سے جو یہ نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ساری زندگی رفع الیدین کے ساتھ نماز ادا فرماتے رہے تو عشرہ مبشرہ تو کیا کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں ہے البتہ سنن بیہقی میں ابن عمر ﷺ سے مروی ایک حدیث میں یہ ضرور ذکر آیا ہے لیکن اس کی سند بھی صحیح نہیں ہے، جو شخص اس حدیث یا اس کے سلسلہ میں کسی اور حدیث کی صحت کا مدعی ہو تو اسے اپنے دعوی کی دلیل پیش کرنی چاہئے۔

مولانا ٹھٹھوی نے علامہ فیروز آبادی کو اس طرح یہ جواب دیا ہے لیکن ان کا یہ جواب کسی بھی دلیل یا نقل پر مبنی نہیں ہے کہ اس کا جائزہ لیا اور اس کا جواب دیا جا سکے اور پھر علامہ فیروز آبادی کی شخصیت تو وہ ہے کہ خود علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ ص ۱۱۷۔۱۱۸ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ محمد بن یعقوب بن محمد بن ابراہیم شیرازی فیروز آبادی علامہ مجد الدین ابو طاہر صاحب قاموس ہیں، علامہ سیوطی نے ان کے بہت مناقب اور عظمت شان بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کی بہت سی تصانیف بھی ہیں، جن میں سے طبقات حنفیہ، البلغہ فی تاریخ ائمۃ اللغۃ اور شرح عمدۃ الاحکام وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، ۲۰ شوال ۸۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ٹھٹھوی نے شاید متاخرین کی کتابوں سے یہ کلام نقل کر دیا ہے اور خود علامہ سیوطی کی کتابوں کی طرف رجوع نہیں کیا، حالانکہ بحث و تحقیق کے سلسلہ میں یہ ایک عظیم نقص ہے۔ جس حدیث کے بارے میں علامہ فیروز آبادی نے لکھا ہے کہ یہ عشرہ مبشرہ سے مروی ہے، اسے تو حافظ نے بھی ''فتح الباری'' ۲/۲۲۰ میں ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت الامام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ''اسے سترہ حضرات صحابہ کرامؓ نے روایت فرمایا ہے'' امام حاکم اور ابوالقاسم بن مندہؒ نے صراحت کی ہے کہ ان صحابہ کرامؓ میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں اور ہمارے شیخ ابوالفضل حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ ''انہوں نے اس حدیث کو روایت کرنے والے حضرات صحابہ کرام ﷺ کو شمار کیا تو ان کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔''

یہ حافظ نے ''فتح الباری'' میں ذکر فرمایا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ علامہ سیوطیؒ حافظ ابن حجرؒ کے شاگرد ہیں، حافظؒ کے علم کے معترف اور ان کی طرف رجوع کرتے ہیں بلکہ علامہ سیوطی کو علم حدیث میں یہ مقام و مرتبہ جو ملا تو اس کے لئے وہ حافظ ہی کے رہین منت ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا حدیث میں مقام و مرتبہ علامہ سیوطی سے بدرجہا بلند ہے، وہ تو حافظؒ کی عظمت شان اور قدر و منزلت کے اس قدر معترف ہیں کہ پاس ادب سے ان کا نام نہیں لیتے بلکہ انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث، شیخ الاسلام، خاتمۃ الحفاظ اور نادرۃ الزمان جیسے پر افتخار القاب سے یاد کرتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا محمد ھاشم ٹھٹھوی نے علامہ فیروز آبادی کا جو کلام نقل کیا ہے، یہ کلام حق و صدق اور مبنی بر عدل و انصاف ہے، وہ اپنے ان مصادر و مراجع کو خوب جانتے ہیں، جن سے انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ نماز میں رفع الیدین کی احادیث کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی ہے، انہوں نے یہ بات بلا سوچے سمجھے نہیں لکھی بلکہ ایسے ثقہ اور امین لوگوں پر اعتماد کے بعد لکھی ہے، جو قطعاً غافل نہ تھے اور نہ سوچے سمجھے بغیر وہ کوئی ایسی

بات ہی کہہ سکتے تھے جو حق وصداقت سے بعید ہو واللہ اعلم۔

پھر مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' ص ۸۶ پر یہ بھی لکھا ہے کہ فیروز آبادی پر بہت تعجب ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے صرف رفع الیدین ہی کی احادیث ثابت ہیں اور نفی رفع الیدین کی احادیث قطعاً ثابت نہیں ہیں اور یہ بات کہہ کر درحقیقت انہوں نے عدم رفع الیدین کی ان تمام احادیث کی نفی کر دی ہے، جن میں سے بعض صحیح اور شیخین کی شرط پر ہیں اور اس سے وہ بات صحیح ثابت ہو گئی ہے، جو مولانا عبدالحق دہلوی نے ''شرح صراط مستقیم'' میں لکھی ہے کہ نفی رفع الیدین کے بارے میں کلام کرتے ہوئے فیروز آبادی نے نہایت مبالغہ سے کام لیا ہے اور حدود سے تجاوز کیا ہے کیونکہ بلاشک وشبہ اس موضوع سے متعلق دونوں طرف احادیث وآثار موجود ہیں، جس کی وجہ سے فریقین میں یہ مسئلہ اختلافی رہا ہے اور بات یہ ہے کہ پہلے رفع الیدین کی احادیث پر عمل ہوتا تھا مگر بعد میں یہ عمل منسوخ ہو گیا اور اس رسالہ میں میں نے ترک رفع الیدین کے دلائل بھی ذکر کر دیئے ہیں تاکہ حق ظاہر ہو جائے اور حدیث میں آیا ہے:

''مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي حَدِيثٌ ثُمَّ رَدَّهُ فَأَنَا خَصِمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''

(جس شخص کو میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے رد کر دی تو روز قیامت میں خود اس سے جھگڑا کروں گا)

مولانا ٹھٹھوی نے علامہ فیروز آبادی کی تردید میں مولانا عبدالحق دہلوی کی ''شرح صراط مستقیم'' کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے تو اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ مولانا عبدالحق دہلوی کی مذکورہ بالا بات قطعاً درست نہیں ہے کیونکہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ عدم رفع الیدین کی احادیث رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہیں، وہ نقاد سنت اور ائمہ حدیث کی ایک بہت بڑی جماعت

ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ ان کے ارشادات قبل ازیں بیان کیے جا چکے ہیں، ان محدثین عظام میں سرفہرست امام ثقہ وعادل امام ابو حاتم رازیؒ بھی ہیں جیسا کہ آپ کے صاحبزادہ گرامی امام حافظ شیخ الاسلام عبدالرحمٰن نے اپنی مایہ ناز کتاب ''الجرح و التعدیل'' میں آپ کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے، علاوہ ازیں حضرت الامام بخاریؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور امام علی بن مدینیؒ جیسے جلیل القدر محدثین بھی شامل ہیں، ان کے ارشادات حافظ زیلعی نے ''نصب الرایۃ'' میں، حافظ ابن حجرؒ نے ''تلخیص'' اور ''درایۃ'' میں اور امام نوویؒ نے ''شرح المھذب'' میں بیان فرمائے ہیں، یہ چند اسماء گرامی تو بطور مثال ہیں، ورنہ یہ تو محدثین کی ایک بڑی جماعت سے ثابت ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے عدم رفع الیدین کی احادیث پر ''تلخیص'' کے ص ۲۲۱۔۲۲۳/۱ میں خوب تنقید کی ہے اور اپنے مقام پر میں اس کا پہلے ذکر کر آیا ہوں حافظ ابن حجرؒ نے امام ابن الجوزیؒ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ شخص کس قدر کند ذہن ہے اور جو ان احادیث کو رفع الیدین کے اثبات کی صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش کرتا ہے۔

میں گزارش کروں گا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب کو یکسر ترک کر کے عدل وانصاف کے ساتھ اس موضوع کا مطالعہ کیا جائے جیسا کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے علاوہ اور بھی کئی دیگر متاخرین احناف نے فرمایا ہے، یہاں ایسے جذبات اور احساسات کی ضرورت نہیں ہے جو آزاد تحقیقی مطالعہ اور سطحیات کے مابین حائل ہوں اور جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے کہ مَنْ بَلَغَهٗ عَنِّيْ .... الخ تو یہ حدیث بھی ان الفاظ کے ساتھ قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ یہ حدیث تو اس طرح ہے جیسا کہ امام طبرانی نے اسے ''معجم اوسط'' میں بیان کیا اور علامہ ہیثمی نے بھی اسے ''مجمع الزوائد'' ۱۴۸۔۱۴۹/۱ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت جابر

سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ بَلَغَهُ عَنِّي حَدِيثٌ فَكَذَّبَ بِهِ فَقَدْ كَذَّبَ ثَلَاثَةً اَللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَالَّذِي حَدَّثَ بِهِ"

(جسے میری کوئی حدیث پہنچی اور اس نے اسے جھٹلا دیا تو اس نے تین کو جھٹلایا یعنی اللہ کو اس کے رسول کو اور اس حدیث کے بیان کرنے والے کو)

علامہ ہیثمی نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "اسے امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے لیکن اس میں ایک راوی محفوظ بن میسور ہے۔ امام ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کسی جرح یا تعدیل کا ذکر نہیں کیا۔"

'میسور' یہاں مطبع کی غلطی ہے، جو شاید نساخ یا طابعین کی طرف سے ہوئی ہے صحیح نام مسور ہے اور وہ محفوظ بن مسور فہری ہے "جرح وتعدیل" کے ہندوستان میں ۱۳۸۲ھ، بمطابق ۱۹۵۳ء میں طبع ہونے والے نسخہ سے اس راوی کا ترجمہ ساقط ہو گیا ہے البتہ علامہ ذھبیؒ نے "میزان" ترجمہ ۷۰۹۴ ص ۳/۴۴۴ میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ محفوظ بن مسور فہری نے ابن منکدر سے ایک منکر روایت بیان کی ہے اور اس سے بقیہ نے بصیغہ عن روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ یہ کون ہے؟

ممکن ہے ان کا اشارہ اسی روایت کی طرف ہو، حافظ نے اسے "لسان" میں علامہ ذھبی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر اپنی طرف سے کچھ بھی اضافہ نہیں کیا مگر یہ روایت بھی ان الفاظ کے ساتھ باطل ہے، ان الفاظ کے ساتھ تو اس کے صحیح ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جن کے ساتھ مولانا ٹھٹھوی نے شیخ عبدالحق

دہلوی سے نقل کیا ہے۔ میرے خیال میں ان دونوں بزرگوں کو اس روایت کی اسناد اور اس کے مخرج کا قطعاً کوئی علم نہ تھا، انہوں نے بعض متاخرین کی کتب سے پڑھ کر اسے یہاں لکھ دیا ہے اور پھر اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ تو خود ان کے خلاف حجت ہے کیونکہ انہوں نے عدم رفع الیدین کی ضعیف اور منکر روایات پر انحصار کر کے رفع الیدین کی صحیح و ثابت شدہ احادیث کو منسوخ قرار دیا ہے حالانکہ یہ ناجائز ہے اور اس طرح کے بزرگوں کے قطعاً شایان شان نہیں۔

اور پھر مولانا ٹھٹھوی نے ''کشف الرین'' کے صفحہ ۴۷ پر جو یہ لکھا ہے کہ ''حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کی تحقیق کی ہے اور وہ فیروز آبادی سے حدیث کو زیادہ جانتے ہیں اور خاتمۃ المحدثین کے لقب سے معروف ہیں۔''

اس سلسلہ میں میری گزارش یہ ہے کہ علامہ سیوطی نے ''تدریب الراوی علی تقریب النواوی'' ص ۳۷۳۔۳۷۴ میں لکھا ہے کہ میں نے احادیث متواترہ کے بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے، جس کی پہلے سے کوئی مثال نہیں ہے میں نے اس کتاب کو ''الازهار المتناثرة فی الأخبار المتواترة'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، میں نے اس میں ہر ہر حدیث کو اس کی تخریج اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے اور پھر ''قطف الازھار'' کے نام سے ایک لطیف جزء میں اس کتاب کی تلخیص بھی کر دی ہے، جس میں ہر ہر سند کو اس کی تخریج کرنے والے ائمہ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس میں بھی بہت سی احادیث بیان کی ہیں مثلاً حدیث حوض کو پچاس سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے، موزوں پر مسح کرنے کی حدیث جو ستر سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اور نماز میں رفع الیدین کرنے کی حدیث کو پچاس سے زیادہ صحابہ کرامؓ سے مروی ہے اور پھر علامہ سیوطیؒ نے یہاں کئی اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے۔ دیکھئے یہ ہیں علامہ سیوطی کے اپنے

الفاظ، جنہوں نے مولانا ٹھٹھوی اور شیخ عبدالحق دہلوی کی باتوں کا قلع قمع کر دیا ہے لہٰذا ان کی تقلید کرنے والوں پر واجب ہے کہ امام سیوطیؒ نے جو فرمایا ہے اسے تسلیم کریں کیونکہ اس بات کا تو انہیں بھی اعتراف ہے کہ علامہ سیوطیؒ، فیروز آبادیؒ کی نسبت حدیث کو بہتر جانتے ہیں لہٰذا واجب ہے کہ امام سیوطیؒ نے احادیث رفع الیدین کے بارے میں جو فرمایا ہے، اسے تسلیم کر لیا جائے کیونکہ مولانا ٹھٹھوی اور مولانا دہلوی کی تقلید کرنے والوں کے لئے اب مخالفت یا انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے واللہ اعلم۔

مستحسن معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں وہ کلام بھی ذکر کر دوں جسے علامہ حافظ ابو القاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم سہمی المتوفی ۴۲۷ھ نے اپنی نفیس کتاب ''تاریخ جرجان'' یا کتاب معرفۃ علماء اہل جرجان میں ذکر کیا ہے، اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۳۶۹ھ بمطابق ۱۹۵۰ء میں مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن، ہند کے زیر اہتمام طبع ہوا تھا، اس کتاب کے مصنف زیر عنوان ''جس کا نام اسماعیل ہے'' لکھتے ہیں (ملاحظہ فرمایئے ترجمہ ۱۵۹ ص ۱۰۰۔۱۰۲) کہ ابو اسحاق اسماعیل بن سعید شالنجی کسائی جرجانی طبری الأصل ہیں، انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، جن میں سے کتاب البیان وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہے، امام احمد بن حنبلؒ کی ان سے خط و کتابت تھی، میں نے ابو احمد عبداللہ بن عدی حافظ سے سنا کہ میں نے احمد بن عباس عدوی کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ میں نے اسماعیل بن سعید کسائی سے یہ سنا ہے کہ میں چالیس سال تک گمراہ رہا مگر پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمادی۔

اصل بات یہ ہے کہ اس ابو اسحاق کا تعلق پہلے مذہب اہلِ رائے سے تھا پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا فرمادی انہوں نے حدیث کو لکھا تو اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ حق صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی میں ہے، پھر انہوں نے اپنی

کتاب ''البیان'' میں اہل رائے کی تردید بھی کی ہے، اس کتاب کے بارے میں ہمیں محمد بن احمد عطریفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے احمد بن عباس عدوی نے یہ بیان کیا اور انہوں نے کہا کہ اول سے آخر تک یہ کتاب ہم تک اسماعیل بن سعید کسائی نے پہنچائی ہے جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام محمد بن حسنؒ کے اصحاب میں سے تھے، یہ ایک ایک مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے حوالہ سے بیان کرتے اور پھر اس کی تردید بھی کرتے تھے۔

پھر انہوں نے ان کے بعض اساتذہ کا بھی ذکر کیا ہے، جن میں سے سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید قطان، عیسیٰ بن یونس، جریر بن عبدالحمید ضبی، عباد بن عوام، ابو معاویہ ضریر اور ایک جماعت قابل ذکر ہے اور ان کے شاگردوں میں ضحاک بن حسین ازدی، احمد بن عباس عدوی، ان کے بھائی اسحاق بن عباس استرابازی، حاتم بن یونس، احمد بن حفص سعدی جرجانی اور ابراہیم بن یعقوب جوزجانی وغیرہ شامل ہیں، ان کی وفات ربیع الاول ۲۴۶ھ میں ہوئی۔

اس اسماعیل کے حالات امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ نے بھی ''الجرح والتعدیل'' ترجمہ ۵۸۷ ص ۳۔۱۷۴/۲ میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسماعیل بن سعید کسائی شالنجی طبری ابواسحاق نے یحییٰ بن ضریس سے روایت کیا ہے اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوعوانہ، معلیٰ بن منصور اور حسن بن علی آملی شامل ہیں۔ حسن بن علی آملی نے مجھے لکھا کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے اسماعیل بن سعید کسائی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو اسحاق پر رحم فرمائے، اسلام میں انہیں بہت بلند مقام و مرتبہ حاصل تھا اور وہ اہل علم و فضل میں سے تھے، حسن بن علی بیان کرتے تھے کہ جن لوگوں سے میں نے لکھا ہے، ان مین سب سے ثقہ تھے، ان کی مرویات کی نہایت قلیل تعداد ایسی ہوگی، جن میں

وہ اوثق نہ ہوں۔

آپ نے اس عظیم الشان شخصیت کے بارے میں حضرت الامام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے بھی ملاحظہ فرمائی اور تاریخ جرجان کے حوالہ سے ان کے حالات بھی معلوم کئے اور ان کا اپنا یہ فرمان بھی ملاحظہ کیا کہ میں ضلالت میں مبتلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت سے سرفراز فرما دیا، کتب حدیث کا مطالعہ کیا اور اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ حق صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی میں ہے، پھر آپ نے مخالفین کی تردید بھی کی ہے لیکن اللہ کی قسم میں اس مقام پر کسی کی سوء ادبی نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ ضرور گزارش کروں گا کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بلاشبہ ہدایت وحق، عدل وانصاف اور زہد وتقویٰ کے ائمہ میں سے تھے لیکن ان تمام خوبیوں کے بغیر معصوم ہرگز نہ تھے جیسا کہ شیعہ امامیہ اپنے ائمہ کی عصمت کا عقیدہ رکھتے ہیں، ہمارا یہ مذہب نہیں ہے بلکہ ہمارا عقیدہ اور مذہب یہ ہے کہ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دیگر تمام ائمہ کی طرح مجتہد تھے، اگر ان کا اجتہاد صحیح ہو تو انہیں دو اجر ملیں گے اور اگر اجتہاد غلط بھی ہو تو ایک اجر وثواب کے وہ ضرور مستحق ہوں گے لہٰذا تمام مسلمان بھائیوں کے لئے یہ واجب ہے، خواہ ان کا تعلق کسی بھی زمان ومکان کے ساتھ ہو کہ وہ ہر وقت کتاب اللہ کے ساتھ ساتھ حدیث نبوی کو بھی اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں اور از راہ تعصب یا محبت کتاب وسنت کے مقابلہ میں کسی کی بات کو قبول نہ کریں اور جس کی بات کو بھی قبول کریں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی قطعی دلیل کی روشنی میں قبول کریں ہاں اگر انہیں کتاب وسنت سے کسی مسئلہ میں دلیل نہ ملے تو پھر بوقت ضرورت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظام اور ائمہ دین کے کلام کو اخذ کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ان حضرات کے قول کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی کوئی صحیح حدیث موجود ہو تو پھر

رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرنا فرض ہے، ائمہ محدثین وفقہاء حدیث نہ ملنے کی وجہ سے معذور تھے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اپنی ایک بے حد اہم کتاب ''رفع الملام عن الائمة الاعلام'' میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔[1]

مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسئلہ رفع الیدین سے متعلق جو کچھ لکھا، اس کے جواب کو اب میں انہی الفاظ پر ختم کرتا ہوں۔

و صلی اللہ علیه وسلم و بارك علی عبده و رسوله محمد و علی آله و صحبه اجمعین الی یوم الدین

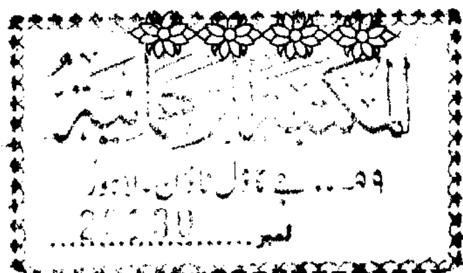
الفقیر الی اللہ

ابو محمد عبدالقادر بن حبیب اللہ السندی

نزیل

المدینة المنورة

۶/۱۰/۱۴۱۱ھ



[1] ۔ حضرت مولانا پروفیسر غلام احمد حریری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''ائمہ سلف اور اتباع سنت'' کے نام سے اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا اور طارق اکیڈمی فیصل آباد نے اسے زیور طبع سے آراستہ کرایا ہے (مترجم)

دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں کے لئے بہترین نسخہ

درودِ پاک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ
عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○
اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی
اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ
اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ○

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ اس کے دس گناہ معاف اور دس درجے بلند فرمائے گا۔ (سنن نسائی)

سمندر کی جھاگ کے برابر گناہ مٹا دینے والا فرشتوں کا وظیفہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے لئے یہ وظیفہ چن لیا ہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ (صحیح مسلم)

''پاک ہے اللہ، ساتھ اپنی تعریف کے''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے جس دن سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھا تو اس کے تمام گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں، خواہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔'' (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو صبح و شام سو بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھے۔ قیامت کے روز اس سے بہتر عمل کوئی نہ لائے گا، سوائے اس کے جس نے یہ کلمہ اتنی یا زیادہ بار پڑھا ہو گا۔'' (مسلم شریف)

ایک دعا..... جس کا اجر لکھنے سے فرشتے عاجز ہیں

مسند احمد میں روایت ہے.... ایک آدمی نے مندرجہ ذیل کلمات کہے، تو فرشتے ان الفاظ کا ثواب نہ لکھ سکے، اور اللہ رب العزت کے حضور عرض کرنے لگے اے مولا کریم ان الفاظ کے ادا کرنے والے کیلئے کیا اجر و ثواب لکھیں۔؟ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ان کلمات کو اسی طرح لکھ دو، میں خود ہی ان کا اجر دوں گا۔

يَارَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَلِعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ (مسند احمد)

''اے میرے رب! تیری اتنی تعریف، جتنی تیرے چہرۂ اقدس کے جلال اور عظیم بادشاہت کے شایانِ شان ہو۔''

(اللہ کی رضا کے لئے صبح شام کثرت سے ان دعاؤں کو پڑھیں)

برائے ضروری یادداشت